اسلام کا نظریۂ جنگ

مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم

بار اول — مارچ ۱۹۶۰ء

قیمت — پانچ روپے

مطبوعہ — یونین پریس دہلی

ناشر

تاج پبلشنگ ہاؤس پوسٹ بکس نمبر ۱۶۵۱ دہلی نمبر ۶

عرضِ مرتب

حضرت مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم و مغفور نے جس طرح زندگی کے ہر موضوع پر اپنے تبحرِ علمی کے موتی بکھیرے ہیں، اسی طرح انھوں نے اپنے مضامین میں تعلیماتِ اسلام کو دنیاوی افعال و اعمال پر منطبق کرتے ہوئے فرق بین الاقوام کو واضح کیا ہے۔

مولانا محترم نے جور و استبداد اور ظلم و ستم یا غیر اسلامی حکومت میں صحت مند انقلاب کے محرکات، اس کی ضروریات، طریقِ کار، جنگ کی ضرورت اس کا صحیح اسلامی تصور، جنگ اور جہاد اسلامی میں فرق، غیر مسلموں اور مسلمانوں کی جنگ میں تفاوت، اسلامی جہاد کے احکامات، فاتح و مجاہد کے انداز فکر و عمل میں تغیر۔ بعد از جنگ و جہاد اثرات و تاثرات۔ گویا کہ جنگ کے موضوع پر مولانا نے اپنے مخصوص اندازِ بیان میں قرآن و احادیث کے حوالہ جات سے مختلف مقالات میں جس طرح اظہارِ خیالات فرمایا ہے، اسے ترتیب دے کر کتاب کی صورت دی گئی ہے۔ قارئین مسئلہ کے سمجھنے کے لئے کافی مواد حاصل کر سکیں گے۔

عاصی:

ابنِ راعی

فہرست

موت و ہلاکت کے وہ حُرُوبِ رقابُ الاُمَم۔ تباہی و بربادی
کے وہ حُرُوبِ قتالُ المِلَل جو خون کی رگوں اور گوشت کے ریشوں کے
اندر انسان کی جانوں کو کھینچ لیتے ہیں۔ پھر آبادیاں اُجاڑ اور زندگیاں
ہلاک ہوتی جاتی ہیں۔ وہ ارواحِ حروب و حروب جو زندگی کے لئے موت
اور آبادی کے لئے ویرانی کا دروازہ عجلت اور جلدی سے کھول دیتی ہیں
وہ ہلاکت و موت کی عظیم الشان ہستیاں جن پر انسان پاشش توپیں لدی
ہوئیں اور آگ و خون کے خونخوار درندے سوار ہوتے ہیں اور جو سمندروں
میں تیرتی پھرتی ہیں اور ایک دوسرے سے بازی لے جانا چاہتی ہیں تاکہ اپنے
اپنے شئون و امور کی تدبیر کریں۔ ان سب کی چھائی ہوئی ہیبت اور پھیلی
ہوئی وحشت اور ان سب کی پھیلائی ہوئی موت اور برساتی ہوئی ہلاکت
کرۂ ارض کے دامن کو دبا دیتی ہے۔ انسانیت کی بستی اجاڑ اور نیکی
غارت ہو جاتی ہے۔ اور پھر ایسے اوقاتِ الیمہ میں دنیا اس بیوہ
کی طرح ہو جاتی ہے جس کا شوہر زبردستی قتل کر دیا گیا ہو اور اس
کے یتیم بچوں پر رحم نہ کیا گیا ہو۔ اب وہ اپنے لٹے ہوئے سنگھار
پر ماتم کرے گی اور اپنی پھٹی ہوئی چادر کو سر سے اتار دے گی۔

کیونکہ اس کا حسن زخمی ہو گیا۔ کیونکہ اس کا شباب پامال کر دیا گیا ہے اور اس لئے کہ اس کے فرزندوں نے اس پر تلوار اٹھائی اور اس لئے کہ اس کے دوستوں نے اسے کچل دیا۔ پس زندگی کی جگہ موت عیش و سلامتی کی جگہ اضطراب۔ نغمۂ نشاط کی جگہ شورِ ماتم۔ زمزمہ سنجی کی جگہ نوحہ خوانی۔ زندگی کی جگہ بحرِ خونیں۔ بستیوں کی جگہ قبریں۔ زندگی کے کاروبار اور بازاروں کی چہل پہل کی جگہ موت کے وہ جنگل جن میں لاشیں تڑپتی ہیں اور ہولناک سمندروں کے وہ خونیں طوفان جن میں انسانی لاشیں اچھلتی ہیں۔ نغمۂ عیش و طرب کی جگہ ماتم رنج و الم۔ راحت و آرام کی جگہ غموم و ہموم کا بحرِ زخار۔ سکون و چین کی جگہ قلوبِ غمگیں کے تلاطم انگیز طوفان پریشانی و ولولہ خیز بے قراریاں لے لیتی ہیں۔ دنیا کے بڑے بڑے مغرور شہروں میں بسنے والے موت کے کھلونے اور ہلاکت کی مورتیاں بن جاتے ہیں۔ تمدن کے بہشت۔ علم کے مرغزار۔ نشاطِ زندگی کے حیرت آباد۔ عیشِ حیات کے عجوبہ زار۔ کرۂ ارض کے طرب آمیز قطعات۔ بسیط زمین کی وجد انگیز وادیاں۔ فرشِ خاک کی نشاط آفریں آبادیاں۔ خراب آبادِ عالم کی رنگین عروس البلاد۔ میخانۂ غفلت آباد کی خمار آلود دلہنیں اور عالم ہست و بود کی طرب آفرینیاں شراب عیش کے متوالوں کی وجد انگیزیاں اور میکدۂ نشاط کے مدہوشوں کی رقص آمیزیاں۔ چنگ و رباب کی نغمہ سرائیاں۔ حرب و قتال کے دلدادہ استبداد کے جنگلِ خون آشام میں پھنس کر تباہ و برباد ہو جاتی ہیں

اور ان موت کی بجلی چمکنے لگتی ہے اور ہلاکت کی بدلی برسنا شروع کر دیتی ہے۔ بربادی کے رعد و برق اپنے احاطے میں لے لیتے ہیں۔ پھر آن کی آن میں آتشِ جنگ کے شعلے خرمن امن کو جلا کر ان کو خاکستر کا ڈھیر بنا دیتے ہیں اور انسان صورت بھیڑیے ہر طرف پھیل جاتے ہیں اور مظلوم انسانوں کو چیر پھاڑ کر موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں۔ انسان کی سوئی ہوئی بہیمیت و سبعیت جاگ اٹھتی ہے اور وہ اشرف المخلوقات صورت میں انسان ہوتا ہے، مگر خواہشوں میں بھیڑیا بن جاتا ہے۔ مجلسوں میں متمدن انسان ہوتا ہے مگر میدان میں جنگلی درندہ بن کر اپنے ہی جنسوں کو پھاڑتا ہے۔ وہ اپنے ہاتھ پاؤں سے اشرف المخلوقات اپنی روحِ بہیمی میں دنیا کا سب سے زیادہ خونخوار جانور ہو جاتا ہے۔

یہ ہے دنیا کی مشتعل و شعلہ انگیز لڑائیوں کا منظر جن کے پیچھے نفس بہیمی کی طاغوتی طاقت ہوتی ہے۔

قرآن نے اسی حقیقت کا نام حرب و فتنہ اور قتال و جدال رکھا ہے پس جہاں کہیں قرآن مجید میں لفظ حرب و فتنہ یا قتال و جدال آئے تو وہاں صرف اسی قسم کی خونریزی اور قتل و غارت مراد ہوتی ہے جس کے محرک بہیمیت اور سبعیت کے جذبات ہوتے ہیں اور جس کا نمونہ ہمارے سامنے آج یورپ پیش کر رہا ہے۔ ان الفاظ کے معنی سمجھنے کے لئے ہمیں کسی لغت کے بجائے یورپ کے میدان قتل و غارت اور معرکۂ کارزار کو دیکھنا چاہیے جو آج حرب و قتال کے لئے ایک مجسمہ

ڈکشنری بنا ہوا ہے۔ ہمارے لئے اسی دیو پیکر کو دیکھ لینا کفایت کرتا ہے۔ لیکن اس کے بالمقابل ایک اور قسم کی جنگ بھی ہے جو دیکھنے میں تو لڑائی اور جنگ ہی ہے مگر اپنی حقیقت کے لحاظ سے وہ دعوتِ امن وسلام اور پیغام صلح و آشتی ہے جس کے اسباب و علل بھی حرب و قتال سے مختلف ہیں اور مقاصد و عواقب بھی علیحدہ ہیں۔ حرب کا مقصد اگر خون ریزی اور بندگان الٰہی کو غلام بنانا ہے تو اس کا مقصدِ وحید دنیا سے خون ریزی کا خاتمہ کر کے نوعِ انسانی کو غلامی سے نجات دلانا ہے۔ اگر حرب کی غرض و غایت لوٹ مار اور غارت گری ہے تو اس کا مطلب دنیا سے لوٹ مار اور غارت گری کا خاتمہ ہے۔ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ ۔ یہاں تک لڑائی جاری رکھو کہ دنیا سے فتنہ و فساد کا خاتمہ ہو جائے۔ اگر لڑائی و جنگ کی علت نفسانی حرص و آز اور ہوا و ہوس ہے تو اس کا محرک تقوٰی و طہارت اور جذبہ قیامِ عدل و انصاف ہے وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا ۔ اور ہم نے تم کو اسی طرح اُمت معتدلہ بنایا ہے۔ اگر قتال و حرب کا نتیجہ دنیا میں بدامنی و فساد ہے تو اس کی غایت امن و اطمینان کا قیام ہے۔ اگر دنیوی لڑائی کے عواقب حریت و آزادی کو کچل دینا ہیں تو جہادِ اسلامی کے نتائج حریتِ فکر و رائے اور آزادیٔ حق و صداقت کو زندہ کرنا ہے۔ دنیوی لڑائی اس لئے لڑی جاتی ہے کہ دنیا کا امن غارت ہو جائے اور حق و صداقت، خیر و معروف کو دبایا جائے۔ مگر

جہادِ اسلامی اس لئے کیا جاتا ہے تاکہ دنیا میں حق پرستی و راست گوئی اور صداقت پسندی و حق کوشی پھلے اور پھولے اور کوئی طاقت پائے حق کوشی کو روکنے والی باقی نہ رہے۔ دنیوی لڑائی کذب و باطل اور شر و منکر کے فروغ کے لئے لڑی جاتی ہے۔ لیکن اسلامی جہاد خیر و صداقت اور معروف و حق کے اثر و نفوذ اور استحکام و بقا کے لئے کیا جاتا ہے۔ دنیوی لڑائیوں سے حق کو مٹایا جاتا ہے اور جہاد کے ذریعے حق کو زندگی بخشی جاتی ہے۔ دنیوی لڑائیاں افتراق و تشتت اور انفعال و اختلاف کا ذریعہ بنتی ہیں۔ مگر جہادِ اسلامی اتحاد و اتفاق اور ائتلاف و اجتماع پر منتج ہوتا ہے۔ دنیوی لڑائیوں کے ذرائع و وسائل اور وسائط و روابط فسق و فجور۔ معصیت و طغیان اور شر و فساد کے مادہ سے قیام پذیر ہوتے ہیں۔ مگر ایک اسلامی جہاد کے وسائل و شرائط اور علائق و علائم کا تقوم مادہ خیر و صدق اور جوہر حق و صداقت سے ہوتا ہے۔ غرضیکہ حرب اور جہاد میں باوجود ظاہری مشابہت و مماثلت کے حقیقت و ماہیت میں مکمل اختلاف و تباین اور تناقض و تباعد ہے لیکن بایں ہمہ بعد و تباین اور اختلاف و تناقض عجب آبادہستی کے عجائب میں یہ بھی ایک عجوبہ ہے کہ یورپ دنیا کو بھی باور کرانے کی سعی کر رہا ہے کہ یہ دونوں حقیقتیں ایک ہیں اور جہاد و حرب باہمی مرادف ہیں۔ اور کوتاہ بین افکار بھی ان کی تقلید کورانہ میں آکر یہ باور کئے ہوئے ہیں کہ واقعی یہ دونوں

ایک ہی شے اور ایک ہی ماہیت کے دو نام ہیں۔ اس صحبت کی خامہ فرسائی کا مقصد ان دونوں کی حقیقت کو واضح کرنا اور ان دونوں کے چہرے سے نقاب کشائی کرنا ہے تاکہ دیو ہیبت چہرہ اور حسین وجمیل رُخ انور میں فرق و امتیاز ہو سکے۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلٰغ

باب اوّل انقلاب

معلّمِ انقلاب

اِنَّ ھٰذَا الْکِتَابُ یَرْفَعُ اللّٰہُ بِہٖ اَقْوَامًا وَّیَضَعُ بِہٖ آخَرِیْنَ (الحدیث)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

امّا بعد - فلاح و کامرانی کی قومی جدجہد کے دو ہی طریقے ہیں - ارتقائی اور انقلابی - اسلام موقع اور محلِ مناسب کے تحت دونوں کا داعی ہے۔ جہاد عمومی درحقیقت انقلابی جدوجہد کا دوسرا نام ہے جس کے تحت نظامِ باطل کو طاقت کے بل پر جڑوں سے اکھاڑ پھینکنا ہوتا ہے - اور ارتقائی جدوجہد کے ذریعہ کسی قوم کو اس قابل بنایا جاتا ہے کہ وہ نظامِ عدل کی کماحقہٗ حامل ہو سکے - آنحضرت صلعم کی مکمل زندگی درحقیقت اسی ارتقائی جدوجہد کا نمونہ ہے اور مدنی زندگی انقلابی جدوجہد کا اسوۂ حسنہ۔

ہماری بحث کا مقصد اس وقت انقلابی جدوجہد کے اسلامی اصولوں پر روشنی ڈالنا ہے - اس میں چار باتیں زیرِ بحث آئیں گی۔

(۱) معلّمِ انقلاب (۲) دستورِ انقلاب (۳) شاہراہِ انقلاب
(۴) اغراض و مقاصدِ انقلاب -

یہ بحث معلّم انقلاب کے عنوان سے شروع کی گئی ہے۔ سو یاد رکھنا چاہیئے کہ معلّم الانقلاب یا کہ ہادی انقلاب ایک مسلمانوں کے نزدیک بجز اس فاطر السّموات والارض کی ذات اقدس کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ مسلمانوں کے لئے تمام عالم میں صرف ایک ہی ہاتھ ہے جو رہنما ہو سکتا ہے اور ایک ہی چشم نگراں ہے جو لغزشوں سے بچا سکتی ہے۔ یہ وہی ہے جو کبھی کوہ سینا پر تجلّیٔ حق بن کر چمکی۔ کبھی فاران پر ابر رحمت بن کر نمودار ہوئی۔ اور کبھی غارِ ثور میں لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا کی صدا ئیں تھی۔ کبھی بدر کے کنارے اِنْ یَّنْصُرْکُمُ اللّٰہُ فَلَا غَالِبَ لَکُمْ کے پیغام میں تھی۔ کبھی احد کے دامن میں وَکَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ کی بشاشت میں تھی۔

اور آج بھی ایک لٹے ہوئے کارواں۔ ایک برباد شدہ قافلے اور ایک برہم شدہ انجمن کے لئے امید کا آخری سہارا اور زندگی کی آخری روشنی ہے۔

مزا دو خضر عناں گیر باید از چپ و راست
کہ کج روی نہ کنم ورنہ عزم راہ خطاست

اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَیَکْشِفُ السُّوْٓءَ	کون ہے کہ جب ایک مضطر اور بیقرار روح اس کو پکارتی ہے تو اس کی فریاد کو سنتا ہے اور اس کی مصیبت کو دور کرتا ہے۔

وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ط

اور کون ہے کہ اس نے تم کو زمین پر اپنا نائب بنایا اور اس کی وراثت بخشی۔ کیا خدا کے رسول کے سوا کوئی اور ہے لیکن تم کم ہی نصیحت پکڑتے ہو

اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ط (الآیۃ)

پھر بتلاؤ کون ہے جو خشکی اور تری کی تاریکیوں میں ہدایت کرتا ہے۔ اور بارانِ رحمت سے پہلے ہواؤں کو بشارت کے لئے بھیجتا ہے۔ کیا خدا کے سوا کوئی دوسرا ہے؟ ان کے سب طرح کے شرکوں سے اللہ پاک ہے و منزہ ہے۔

دنیا میں جب کبھی کسی بنی آدم نے اصلاحِ حیات کی کوئی منزل طے کی ہے تو صرف اسی ہاتھ کی راہنمائی سے اور جو اس کی رہنمائی میں آگیا تو پھر اس کے لئے گمراہی و ضلالت نہیں وہ ہر ضلالت و بے راہ روی اور گمراہی و غلط روی کے کھٹکے سے محفوظ ہوگیا۔

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ

الآیۃ ۶ – ۲۵

خدا جب کسی کو راہِ راست پر چلانا چاہتا ہے تو اس کا دل اسلام کے لئے کھول دیتا ہے۔

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ

اور جس کا دل اسلام کے لئے

لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ فَوَیْلٌ لِّلْقٰسِیَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِکْرِ اللّٰهِ ط

۳۹ — ۴۲

کھول دیا گیا تو پھر وہ اپنے پروردگار کی روشن کی ہوئی مشعلِ ہدایت اپنے سامنے پاتا ہے۔ مگر افسوس ان لوگوں پر جنکے دل ذکرِ الٰہی سے غافل ہو کر سخت ہو گئے ہیں۔

ہم نہایت حسرت کے ساتھ یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ جو لوگ اپنے اندر آزادی اور حقوق طلبانہ پالیسی کا دلولہ رکھتے ہیں تاکہ عام راہ ضلالت سے الگ رہنے کا انھیں الاؤنس دینا چاہئے۔ لیکن افسوس کہ ان کے سامنے ہندوؤں کی پولیٹکل جدّوجہد کے سوا کوئی مستقل اور علیحدہ راہ نہیں ہے وہ بھی اپنی ترقی کا سدرۃ المنتہٰی صرف یہ سمجھتے ہیں کہ کسی طرح ہندوؤں کے قدم بقدم چلنا سیکھ جائیں (بے شک ہمارے عقیدے میں بھی آجکل مسلمانوں کے لئے عبرت وتنبیہہ کا سب سے بڑا سبق ہندوؤں کے سیاسی اعمال میں ہے اور بڑی بدبختی یہی تو تھی کہ آج تک اس سے عبرت حاصل نہیں کی گئی۔ لیکن پیروانِ امام مبین کے لئے اس سے بڑھکر کوئی مذہبی موت نہیں ہو سکتی کہ اعمال کے ایک ضروری شعبے میں ان کو اسلام تعلیم دینے سے مجبور اور لاچار ہو گیا ہو اور اس کی طرف سے مایوس ہو کر انھیں ایک دوسری قوم کے دسترخوان کی چھچوڑی ہوئی ہڈیوں پر للچانا پڑے اگر ایسا ہی ہے تو بہتر ہے کہ سرے سے اسلام ہی کو خیرباد کہہ دیا جائے۔ دنیا کو ایسے مذہب کی کیا ضرورت ہے جو صرف خطبہ نکاح میں چند آیتیں پڑھ دینے یا

بستر نزاع پر سورۂ یٰسین کو دہرا دینے ہی کے لئے کار آمد ہو سکتا ہے۔

ہمارے نزدیک اسلام کے دامن تقدیس پر اس سے بڑھ کر اور کوئی بدنما دھبہ نہیں ہو سکتا کہ انسانی حریت اور ملکی فلاح کا سبق مسلمان دوسری قوموں سے لیں۔ اس بارے میں ہمارے خیالات الحمد للہ عام خیالات کی سطح سے بہت بلند ہیں۔ اور گو موقع نہیں مگر ضمناً ان کی طرف اشارہ کر دینا ضروری ہے۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ جس طرح اسلام کا خدا اپنی ذات و صفات میں وحدہٗ لاشریک ہے، کوئی ہستی اور وجود اس میں شریک نہیں اسی طرح اس کا قرآن بھی اپنی جامعیت اور کمالِ تعلیم میں وحدہٗ لاشریک ہے اور بالکل اسی طرح اس کا لانے والا رسولؐ کمالِ انسانیت و تعبد اور قوائے نبوۃ و اصلاح میں وحدہٗ لاشریک، ان کی صفات و خصائل میں کوئی ان کا شریک نہیں۔ ؎

راہ نسبت طلبی ہیں کرچہ شبابان رفتم

پس ضرور ہے کہ جو امت اس خدائے واحد۔ اس قرآنِ واحد اس رسولؐ واحد کے دامن تعلیم سے وابستہ ہو وہ بھی اپنے اندر اسی شانِ وحدت و یکتائی کا جلوہ رکھے۔ وہ بھی اپنے اعمالِ زندگی کی ہر شان میں وحدہٗ لاشریک ہو۔ اس کے اعمال و خصائل بھی [illegible] کی صدائے اتحاد سے غلغلہ اندازِ عالم ہوں۔ تمام دنیا کی قومیں اس کے اعمال کا اتباع کریں۔ زندگی کے ہر حسن و جمال میں اس کے خال و خط مرقع عالم کے لئے نمونہ اور اسوۂ اتباع بنیں۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۔

اور اسی طرح ہم نے تم کو معتدل اُمت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں کے سامنے حق گواہی دینے والے بنو اور پیغمبر تمہارے سامنے۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا ۔

مسلمانو! اگر تم اللہ کا خوف اپنے اندر پیدا کر سکے متقی بن جاؤ گے تو وہ تمہارے لئے تمام دنیا میں ایک خاص امتیاز اور خصوصیت پیدا کر دیگا

پہلی آیت میں لفظ شہیداً کے یہی معنی ہیں کہ تمہارا وجود لوگوں کے لئے نمونہ بن جائے اور حق کی گواہی ہو جائے اور دوسری آیت میں وعدہ فرمایا ہے کہ ہم تمہیں ممتاز کر دیں گے کہ تم لوگوں کے لئے نمونہ بنو گے اور وہ تمہاری تابعداری کریں گے ۔

جس کو اس صدائے الٰہی نے مخاطب بنایا ہو اس قوم کے لئے اس سے بڑھ کر کیا بدبختی ہو سکتی ہے کہ وہ اپنی زندگی کی ہر شاخ میں غیروں کے لئے نمونہ بننے کی جگہ خود دوسروں کو اپنا کعبہ مقصود اور قبلۂ کمال بنا رہی ہے سیاسی بحث تو ضمنی ہے، ہمارا اصلی ماتم صرف اسی پر موقوف نہیں، ہم کو تو یہ نظر آ رہا ہے کہ آج مسلمانوں کے لئے تعلیم اخلاق معاشرت۔ سیاست بلکہ مدنی زندگی کی ہر شاخ میں ان کے لیڈر صرف اسی کو فرض رہنمائی سمجھتے ہیں کہ ان کے آگے دوسری قوموں کے اعمال پیش کر دیا

تہذیب و انسانیت کی ضرورت ہے تو مسلمان یورپ کی شاگردی کریں۔ پولیٹکل آزادی کی ضرورت ہے تو اپنی ہمسایہ قوموں سے بھیک مانگیں۔ پھر ہمیں بتلایا جائے کہ خود بحیثیت مسلمانوں کے پاس کچھ ہے یا نہیں۔ جو مسلمانوں کے رہنما قوم کے جلب قلوب کے لیئے مذہب کے ذکر کو ناگزیر سمجھ کر اپنے شاندار اسٹیجوں پر مذہب، مذہب اور اسلام، اسلام پکارتے ہیں، قطع نظر اس کے کہ خود ان کی زندگی میں اس اسلام کا اثر کہاں تک موجود ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ انھوں نے کبھی قوم کو یہ بھی تبلایا ہے کہ زندگی کی ہر شاخ میں خود اسلام کا نمونہ کیا ہے۔ اور اگر نہیں تبلایا تو قوم کے لیئے ایک مسیحی رہنما اور ایک مسلمان لیڈر میں کیا فرق ہے۔ سچ یہ ہے کہ یہ غریب خود جس متاع سے تہی دست ہیں دوسروں کے آگے کیا پیش کریں گے۔

خفتہ را خفتہ کے کند بیدار

یہی بنیادی گمراہی ہے جس نے ملت کی ریڑھ کی ہڈی تک کو کھلا دیا ہے۔ مسلمان اگر مسلمان ہوتے تو سمجھتے کہ ان کے لیئے خود ان کے سوا دنیا میں اور کوئی نمونہ نہیں ہو سکتا۔ اگر فی الحقیقت دنیا کی کسی قوم کے پاس کوئی عمدہ خیال۔ کوئی واقعی سچائی اور اچھا عمل پایا جاتا ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ وہ بدرجہ اولیٰ اسلام میں موجود ہے اور اگر نہیں ہے تو اس کی اچھائی بھی قابل تسلیم نہیں۔ اسلام کے معنی کی اصلی وسعت سے دنیا بے خبر ہے۔ اسلام تو اعتقاد و عمل کی ہر صداقت اور

کائنات کے ہر حسن وجمال کا نام ہے۔ جہاں کہیں صداقت اور جمال موجود ہے تو یقین کرنا چاہئے کہ وہ اسلام ہے۔ گو دنیا کو اس کی خبر نہ ہو۔ اللہ اللہ! خدا تو مسلمانوں سے چاہتا ہے کہ مجھ کو نمونہ بناؤ اور میری صفات کاملہ سے مشابہت پیدا کرو۔ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ (الحدیث) یعنی اپنے اندر اخلاق الٰہی پیدا کرو۔ اور آج مسلمان ہیں کہ انسانوں کو اپنا اسوۂ حسنہ بناتے ہوئے نعرہ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ الْاَنْگْرِیْج لگا رہے ہیں۔ یعنی آج انگریزوں اور فرنگیوں کو اپنا اسوہ بنا کر ان کے اخلاق اپنا رہے ہیں۔ فَوَا اَسَفًا

اور اگر کوئی ان کی نقالی بن آتی ہے تو اَنَا الْاَفْرَنْج کا نعرہ لگا کر اس قدر نازاں ہوتے ہیں کہ حسین بن منصور کو انا الحق پر بھی اتنا ناز نہ ہوگا۔ کَذٰلِكَ يَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ (الآیۃ) یعنی جو لوگ دولتِ ایمان سے محروم ہیں ان کو اللہ تعالیٰ نے سرتاپا نجاستوں اور پلیدیوں میں گھیر رکھا ہے۔ اس کا نتیجہ ہے کہ مسلمان جس قدر اصلاح کی طرف قدم بڑھاتے ہیں اتنا ہی ضلالت وگمراہی ان سے قریب تر ہوتی جاتی ہے۔ وہ جس قدر ترقی ترقی پکارتے ہیں، اتنی ہی تنزل تنزل کی آواز سنائی دیتی ہے۔ وہ گویا دلدل میں پھنس گئے ہیں جس قدر زور کرتے ہیں اتنا ہی پاؤں اور دھنستا جاتا ہے۔ یا ان کے رشتۂ فلاح میں بدبختی کی گرہ پڑ گئی ہے جس قدر کھینچتے ہیں وہ اور زیادہ کستی جاتی ہے ان کی حالت یہ ہو گئی ہے۔

اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ یَّغْشٰهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ؕ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ؕ اِذَاۤ اَخْرَجَ یَدَهٗ لَمْ یَكَدْ یَرٰىهَا ؕ وَ مَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ؕ

النور ۴۰

ان کی مثال ایسے گہرے دریا کی تہ بہ تہ تاریکیوں کی سی ہے جہاں موج پر موج ہو اور مزید برآں بادل چھائے ہوئے ہوں۔ اندھیروں پہ اندھیرے حتیٰ کہ اگر کوئی ہاتھ باہر نکالے کبھی تو نظر نہ آسکے یوں جو خدا روشنی سے محروم کر دے تو اس کے لئے جہان میں کوئی روشنی ہی نہیں۔

جو قوم خدا سے رشتہ کاٹ دیتی ہے اور اس کے فرمان و احکام سے روگردانی کرتی ہے تو اس کے اعمال نور الٰہی سے خالی ہو جاتے ہیں اس پر خدا کی جانب سے گمراہی کا ایک شیطان مسلط ہو جاتا ہے اور وہ اس کو اپنا مرکب بنا کر اس کے گلے میں اپنی اطاعت کی زنجیریں ڈال دیتا ہے پھر اس کی ہر سعی و جہد رائیگاں اور ہر کوشش و عمل بیکار و حبط ہو جاتا ہے۔

وَ مَنْ یَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَیِّضْ لَهٗ شَیْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِیْنٌ ؕ

اور جو شخص خدا کے ذکر سے روگردانی کرتا ہے تو ہم اس پر ضلالت کا ایک شیطان متعین کر دیتے ہیں جو ہمیشہ اس کے ساتھ رہتا ہے۔

پھر وہ یکسر گمراہی اور ضلالت ہو جاتی ہے۔ اس کی زندگی ناکامی

اور نامرادی کی تصویر بن جاتی ہے - وہ طلب مقصود میں آوارہ گردی کرتی ہے مگر چونکہ مقصود تک پہنچانے والے ہاتھ میں اس کا ہاتھ نہیں ہوتا اس لیے کبھی مقصود تک نہیں پہنچ سکتی۔ مسلمانوں کے تمام ترقی کے ولولوں اور اصلاح کی کوششوں کا بھی یہی حال ہو رہا ہے - نامرادی کے سوا کچھ انھیں حاصل نہیں - ان کے لیڈر پانی کو ڈھونڈتے ہیں مگر دوڑتے ہیں ریگ زار کی طرف - جہاں بجز مایوسی و ناامیدی اور ناکامی و نامرادی کے کچھ حاصل نہیں -

أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّمْآنُ مَاءً حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا

الآیۃ ۲۴ — ۳۹

ان کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے چٹیل میدان میں چمکتی ہوئی ریت ہوتی ہے کہ پیاسا دور سے اسے پانی سمجھ کر چلا مگر جب پاس آیا تو کچھ بھی نہ تھا -

پس مسلمانوں نے اگر زندگی حاصل کرنی ہے تو مسلمان بن کر ہی حاصل کر سکتے ہیں نہ کہ مسیحی یا ہندو بن کر ـــــ آپ کے ہاں اگر شمع کافوری جل رہی ہے تو آپ کو کسی فقیر کی جھونپڑی سے اس کا ٹمٹماتا ہوا چراغ چرا لینے کی کیا ضرورت ہے - پھر یہ بھی ہے کہ فرض کر لیجیے کل ہندو قوم اپنی پالیسی بدل دینی پڑی (جتنی راہیں انسانی دماغ کی پیدا کردہ ہیں ان میں تغیر و تبدل ہر وقت ممکن ہے - البتہ خدا کی تعلیم میں ممکن نہیں کہ لا تبدیل لکلمات) تو کیا پھر اس حالت میں مسلمان بھی اپنے اماموں کے ساتھ تماشا بنیں

توڑ دیں گے۔ ذرا غور سے کام لیجئے اس لئے کہ گہری اور تفکر طلب باتیں ہیں۔ ہم آپ لوگوں کے ذہن نشین کرنا چاہتے ہیں کہ خواہ کسی اصل پہ مبنی ہو مگر وہ ایک ایسی راہ پیدا کریں جو ان کی مستقل اور مخصوص راہ ہو جس میں کبھی تغیر کی ضرورت نہ ہو۔ تمام خارجی اثرات تغیر سے محفوظ ہوں۔ نیز کہا جا سکے کہ وہ مسلمانوں کی راہ ہے۔ ایسا نہ ہو کہ محض خارجی حالات کے تابع ہو کر آپ اپنے نصب العین بالکل بھول جائیں۔ یہ نہ ہو کہ آپ کی پالیسی صرف گورنمنٹ کے انداز نظر کا نام ہو۔ لطف و مہر کی بہار آئے تو آپ کی پالیسی دوسری ہو۔ اور اگر انحراف و اعراض کی بادِ خزاں چلے تو آپ کی پرواز فکر کا آشیانہ دوسری جگہ بن جائے۔ تقسیم بنگال کی تقسیم و ترکیب اور یونیورسٹی کا الحاق و عدم الحاق آپ کی پالیسی تیار نہ کرے۔ بلکہ آپ کے منقسم اقلیم دل کا اتصال اور آپ کے شکستہ رشتہ الٰہی کا الحاق آپ کے لئے ایک دائمی اور ناممکن التبدیل پالیسی مہیا کرے۔ آپ کو دوسری قوموں کی تقلید دن پر نظر رکھنا کچھ مفید نہیں۔ آپ مسلمان ہیں تو پھر صرف اپنے اوپر نظر رکھنی چاہیئے۔ کیونکہ مسلمانوں کے پاس ایک ایسی شئے ہے جو اوروں کے پاس نہیں، جس کو مسلمان اپنا رہنما بنا کر اپنا مقصود حاصل کر سکتے ہیں جس کی تلاش میں آپ کو گھر سے نکلنے کی ضرورت نہیں بلکہ ہمیشہ سے وہ خود آپ کے گھر کے اندر موجود ہے لیکن آپ نے اس کی طرف سے آنکھیں بند کی ہوئی ہیں۔ اس لئے وہ آپ کو نظر نہیں آتی۔ آپ اپنی آنکھوں سے غفلت کے پردے اتار کر اس کی طرف متوجہ ہو کر اس سے ہدایت و رہنمائی حاصل

کرکے اپنے رہنمائے حقیقی اور نگرانِ اعلیٰ سے رہنمائی و ہدایت حاصل کریں
تو یقیناً آپ کی ہر کوشش کامیاب اور ہر عمل بامراد اور ہر سعی و جہد و سعید نتیجہ
خیز ثابت ہوگی۔ وہ ہے قرآن کریم اور کتاب مبین، جس کی روشنی سے
آپ اپنے رب العالمین کی دستگیری و امداد حاصل کر کے ہر مقصد اور ہر مطلب
و مراد کو پا سکتے ہیں خواہ آزادیٔ وطن کا مقصد ہو یا اور کوئی۔

یاد رکھیے! جب تک آپ اپنے رب کو سچے دل سے اپنا ہادی اور اس کی اطاعت
میں اپنی ہستی کو راضی کر کے اس کی بتائی ہوئی راہ پر گامزن نہ ہوں گے آپ
کی کامیابی ناممکن ہے۔ آپ کی کامیابی صرف اور صرف اسی کی رہنمائی اور
اعانت پر موقوف ہے۔

باب دوم

دستورِ انقلاب

میں بلا شائبہ انکار اور بغیر کسی بناوٹی انکسار کے گذارش کرتا ہوں کہ قرآنی حقائق و معارف کے سمجھنے کی اہلیت کسی طرح اپنے اندر نہیں پاتا ممکن ہے کہ مذہبی باتیں تھوڑی بہت مجھے معلوم ہوں، لیکن قرآنِ کریم کے معارف تو استے ارزاں نہیں جس کو میں اپنی حرف شناسی دے کر خرید سکوں اگر اس کے حقائق و اسرار کے فہم کے لئے عربی دانی کی ضرورت ہوتی تو میں عربی کچھ نہ کچھ سمجھ لیتا ہوں۔ اگر مذہبی معلومات کی ضرورت ہوتی تو ان کے حاصل کرنے کی کوشش کرتا۔ اگر کتب سیر کے مطالعہ کی ضرورت ہوتی تو کتابوں کی میرے پاس کمی نہ تھی۔ لیکن اس کے لئے تو یہ تمام باتیں بیکار ہیں پہلی شرط اتقاء اور تزکیہ قلب ہے اور ساری محرومی اس میں ہے کہ اس سے محروم ہوں۔ جو دل زادِ تقویٰ سے محروم اور ہوائے نفسانی و آلائش دنیا پرستی میں گرفتار ہو وہ ایک لمحہ کے لئے بھی قرآن کے حقائق و معارف کا تجلی گاہ نہیں بن سکتا۔ علم و فضل اس کے لئے بالکل بے کار ہے اور ذہن و دماغ کو یہاں کوئی نہیں پوچھتا بلکہ ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔ خوب کہا ہے:

از منطق و حکمت نکشاید در محبوب
اینہا ہمہ آلایش افسانہ عشق است

یعنی اس باب میں منطق و فلسفہ کام نہیں دیتے بلکہ یہاں ایک دوسری چیز کی ضرورت ہے جس سے افسوس کہ ہم محروم ہوں۔ یقین فرمائیے جو کچھ عرض کر رہا ہوں بالکل سچ ہے۔ قرآن کے اسرار و معارف میں ایک غیر متقی انسان کے لئے کوئی حصہ نہیں۔ گو وہ علم و فضل کے تمام مدارج طے کرلے انصاف فرمائیے کہ جب حالت یہ ہو تو پھر ہمارے پاس سوائے اس کے چارہ ہی کیا رہ جاتا ہے۔ دستور انقلاب قرآن کے سوا اور کیا ہے۔ تاہم قرآن کے معاملہ میں آپ میری حالت سن چکے۔ میرا یہ اعتقاد ہے بلکہ ہر مسلمان کا یہی عقیدہ ہونا چاہئے۔ انسانی اعمال کی خواہ کوئی شاخ ہو ہم تمام تر قرآنی معیار پر ہی پرکھیں گے۔ ہمارے پاس اگر کچھ ہے تو صرف قرآن ہی ہے اس کے سوا ہم کچھ نہیں جانتے۔ ساری دنیا کی طرف ہماری آنکھیں بند ہیں اور تمام آوازوں سے کان بہرے ہیں۔ اگر دیکھنے کے لئے روشنی کی ضرورت ہے تو یقین کیجئے کہ ہمارے پاس تو "سراج منیر" کی بخشی ہوئی ایک ہی روشنی ہے اسے ہٹا دیجئے گا تو بالکل اندھے ہو جاؤ گے۔

کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (الآیہ)	قرآن ایک کتاب ہے جو تم پر نازل کی گئی ہے اس لئے کہ انسان کو تاریکی سے نکالے اور روشنی میں لائے۔

بعض حضرات کا خیال ہے بلکہ اصرار کر رہے ہیں کہ پولیٹکل مباحث کو

مذہبی رنگ سے الگ کر دینا چاہیئے۔ لیکن اگر الگ کر دیں تو ہمارے
پاس باقی کیا رہ جاتا ہے۔ ہم نے تو اپنے پولیٹکل خیالات بھی مذہب ہی سے
سیکھے ہیں۔ وہ مذہبی رنگ ہی نہیں بلکہ مذہب کے پیدا کئے ہوئے
ہیں۔ ہم انہیں مذہب سے کیونکر الگ کر دیں۔ ہمارے عقیدہ میں ہر وہ خیال
جو قرآن کے سوا اور کسی تعلیم گاہ سے حاصل کیا گیا ہو ایک کفر صریح ہے اور
پالیٹکس اور انقلاب بھی اس میں داخل ہے۔ افسوس ہے کہ آج مسلمانوں نے
اسلام کو اس کی اصلی عظمت میں نہیں دیکھا۔ مَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ ورنہ
پولیٹکل پالیسی کے لئے نہ تو گورنمنٹ کے دروازے پر جھکنا پڑتا اور نہ
ہندوؤں سے اقتدا کرنے کی ضرورت پیش آتی۔ اسلام سے سب کچھ سیکھتے
جس کی بدولت تمام دنیا کو آپ نے سب کچھ سکھلایا تھا۔ اسلام انسان کیلئے
ایک جامع اور اکمل قانون لے کر آیا اور انسانی اعمال کا کوئی مناقشہ ایسا
نہیں جس کے لئے وہ حکم نہ ہو۔ وہ اپنی توحید و تعلیم میں نہایت غیور ہے اور
کبھی پسند نہیں کرتا کہ اس کی چوکھٹ پر جھکنے والے کسی دوسرے دروازے
کے سائل بنیں۔ مسلمانوں کی اخلاقی زندگی ہو یا علمی، سیاسی ہو یا معاشرتی
دینی ہو یا دنیوی، حاکمانہ ہو یا محکومانہ، وہ ہر زندگی کیلئے ایک اکمل ترین قانون
اپنے اندر رکھتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ دنیا کا آخری اور عالمگیر مذہب نہ
ہو سکتا۔ وہ خدا کی آواز اور اس کی تعلیم گاہ، خدا کا حلقہ درس ہے جس نے
خدا کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا وہ پھر کسی انسانی دستگیری کا محتاج نہیں۔ یہی وجہ
ہے کہ قرآن نے ہر جگہ اپنے تئیں امام مبین۔ حق الیقین۔ نور۔ کتاب مبین

تبیاناً لکلِّ شیئٍ - بصائرُ للنّاس - ہادی - اھدیٰ الی السُّبُل جامع اقراب حاوی امثال - بلاغٌ للنّاس - حاوِیٌ بحر و بر - اور اسی طرح کے القاب اور ناموں سے یاد کیا ہے - اکثر مقاموں پر کہا کہ وہ ایک روشنی ہے اور روشنی جب نکلتی ہے تو ہر طرح کی تاریکی دور ہو جاتی ہے - خواہ مذہبی گمراہیوں کی ہو خواہ سیاسی -

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌۙ۝ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَ يَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۝

۵ — ۱۵

بیشک تمھارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی اور ہر بات کو بیان کر دینے والی کتاب آ لی ہے اللہ اس کے ذریعہ سے سلامتی کے راستوں پر ہدایت کرتا ہے اس کو جو اس کی رضا چاہتا ہے اور اس کو ہر طرح کی گمراہی کی تاریکی سے نکال کر ہدایت کی روشنی میں لاتا ہے اور صراط مستقیم پر اسکو چلاتا

دنیا میں کونسی کتاب ہے جس نے خود اپنی نسبت اپنی زبان سے اپنے عظیم الشان دعوے کئے ہوں - اس آیت میں صاف بتلا دیا ہے کہ قرآن مجید روشنی ہے اور روشنی ہے تو تمام انسانی اعمال کی تاریکیاں صرف اسی سے دور ہو سکتی ہیں - پھر کہا کہ وہ ہر بات کو کھلے کھلے بیان کر دینے والا ہے اور انسانی اعمال کی کوئی شاخ ایسی نہیں جس کے لئے اس کے اندر کوئی فیصلہ نہ ہو - اس ٹکڑے کی تائید ایک دوسری جگہ کر دی ہے جہاں فرمایا ہے:

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ط

بیشک ہم نے ان کو کتاب دی جس کو ہم نے علم کے ساتھ مفصل کر دیا ہے وہ ہدایت بخش اور رحمت ہے ارباب ایمان کے لئے ....

اس کے بعد پہلی آیت میں قرآن کو سبل السلام کے لئے ہادی تبلایا کہ وہ تمام سلامتی کی راہوں کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور اگر آپ کے سامنے پولیٹکل اعمال و انقلابی جد و جہد کی بھی کوئی راہ ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کی سلامتی آپ کو قرآن سے نہ ملے۔

پھر کہا کہ وہ انسان کو تمام گمراہیوں کی تاریکی سے نکال کر ہدایت کی روشنی میں لاتی ہے۔ اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہماری پولیٹکل گمراہیاں اور انقلابی ضلالت کی تاریکیاں صرف اس لئے ہیں کہ ہم نے قرآن کے دست رہنما کو اپنا ہاتھ سپرد نہیں کیا، ورنہ تاریکی کی جگہ آج ہمارے چاروں طرف روشنی ہوتی، آخر میں کہہ دیا کہ وہ صراط مستقیم پر لے جانے والی ہے۔ اور صراط مستقیم کی اصطلاح قرآن کی زبان میں ایسی جامع و مانع ہے کہ ساری دنیا اس کے اندر سمجھئے۔ ایک جگہ فرمایا:

نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ط

اے پیغمبر! ہم نے تجھ پر ایسی کتاب اتاری جو ہر چیز کو کھول کھول کر بیان کرنے والی ہے اور نیز ہدایت بخش اور رحمت ہے صاحبان ایمان کے لئے۔ (الآیہ)

سورہ یوسف کے آخری رکوع کی آخری آیت میں قرآن کی مدح و تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ

مَا كَانَ حَدِيثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُونَ ط (الآیۃ)

قرآن کوئی بنائی ہوئی بات نہیں ہے بلکہ جو صحائف اس سے پہلے کے موجود ہیں ان کی تصدیق کرتا ہے اور اور یہی ارباب ایمان کے لئے ہر چیز کی تفصیل ہے اور ہدایت و رحمت ہے۔

ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں۔ جہاں قرآن کی رنگارنگی اور بوقلمونی تشریح کی جانب اشارہ کرتے ہیں کہ

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ (الآیۃ)

ہم نے انسان کے سمجھانے کے لئے اس قرآن میں سب طرح کی مثالیں بیان کر دی ہیں تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔

ان آیات قرآن کا دعویٰ بالکل صاف ہے کہ وہ ہر طرح کی تعلیمات کے لئے اپنے تئیں ایک کامل معلم ظاہر کرتا ہے پھر اس کی تعلیم صاف اور غیر پیچیدہ ہے بشرطیکہ اس پر تدبر و تفکر کر کے اس سے نصیحت و عبرت حاصل کی جائے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي اَنْزَلَ

تمام تعریفیں اس خدا کے لئے ہیں

عَلٰی عَبْدِہِ الْکِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّہٗ عِوَجًا قَیِّمًا ط الآیۃ

جس نے اپنے بندے پر قرآن اتارا اور اس میں کسی طرح کی پیچیدگی نہ رکھی بلکہ اس کو سیدھا اور صاف نظام حیات بنایا۔

پس یہ کیوں کر ممکن ہے کہ اس کے پیرو اپنی زندگی کے ایک ضروری شعبہ یعنی سیاسی انقلاب کے لئے دوسروں کے دروازوں کے سائل بنیں حالانکہ خود قرآن ان کے پاس ایک حکم اور ایک دستور العمل وامام مبین موجود ہے کلّا وحاشا۔ وَکُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰہُ فِیْ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ ج الآیہ (اور ہر شے کو ہم نے اس واضح کتاب میں جمع کر دیا ہے)

اِنَّہٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ وَّمَا ھُوَ بِالْھَزْلِ ط (الآیۃ)

یعنی یقیناً یہ قرآن ایک قول فیصل ہے تمام اختلافات و اعمال کے لئے اور کوئی بے معنی و فضول بات نہیں

مسلمانوں کی ساری مصیبت صرف اسی غفلت کا نتیجہ ہے کہ انھوں نے اس تعلیم گاہِ الٰہی کو چھوڑ دیا ہے اور سمجھنے لگے کہ صرف نماز روزہ کے مسائل کے لئے اس کی طرف نظر اٹھانے کی ضرورت ہے اور بس۔ ورنہ اپنے تعلیمی، تمدنی، سیاسی، اقتصادی، معاشرتی اور انقلابی و ارتقائی اعمال سے اسے کیا سروکار۔ اللہ اللہ۔ لیکن وہ جس قدر قرآن سے دور ہوتے گئے اتنا ہی تمام دنیا ان سے دور ہوتی گئی اور محرومی و نامرادی نے ان کو ہر طرف سے گھیر لیا اور بدبختی و نحوست شقاوت و

ناکامی ان پر چھا گئی - یہ اس سے ایک قدم بھی باہر نہ نکل سکے - حال یہ ہو گیا کہ جب راہ میں قدم اٹھایا تو گمراہی و ضلالت کی ظلمت سے دوچار ہوئے - اس حالت کی پیش گوئی پہلے ہی قرآن نے کر دی تھی - قرآن نے صد افسوس بہ زبان حال کیسی طرح اس نے ہماری بدبختی کا نقشہ کھینچا ہے:

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ط (الآیۃ) ۲۵ — ۳۰	قیامت کے دن رسول اللہ کے حضور میں عرض کریں گے کہ خدایا میری امت نے اس قرآن کو ہذیان جیسے معنی سمجھا اور اس پر عمل نہ کیا۔

ہم نہیں سمجھتے کہ اگر نزول قرآن کے وقت مشرکین مکہ اس سے اعراض و اغماض کرتے تھے تو ان میں اس سے زیادہ کیا تمرد و سرکشی تھی جتنی آج صدیوں سے تمام مسلمانان عالم اور ان کا ہر طبقہ خواہ وہ مدعیان ریاست دینی کا ہو یا مسند نشینان تخت دنیا کا بلا استثنا کر رہا ہے - وہ اگر قرآن کی تلاوت کے وقت کانوں میں انگلیاں ڈال لیتے تھے یا کعبہ کے اندر شور مچاتے تھے اور تالیاں پیٹتے تھے کہ اس کی آواز کسی کے سننے میں نہ آئے - تو آج خود مسلمان کانوں کی جگہ دلوں کو بند کیے ہوئے ہیں اور شور مچانے کی جگہ گو خاموش ہیں مگر ان کے نفوس نے نفسانی ہنگاموں کا ایسا غل مچا دیا ہے کہ خدا کی آواز کسی کے کان میں نہیں پڑتی - ان کے اگر کان بہرے تھے کہ قرآن کی آوازِ حق نہیں سن سکتے تھے تو بتاؤ آج

کیا تمہارے کان ان سے زیادہ بہرے نہیں ہو چکے۔ اور ان کی اگر آنکھیں اندھی تھیں کہ وہ آیات ربانی کے مشاہدہ و معائنہ سے عاجز تھیں تو تمہاری آنکھیں کیا ان سے بڑھ کر اندھی و نابینا نہیں کہ تمہارے سامنے عبرت کے نمونے اور آیات رحمانی کے مسلسل ہزارہا مناظر عبرت آموز اور مشاہد سبق دہندہ موجود ہیں مگر تم نے کبھی نظر غلط بھی ان پر نہیں ڈالی۔ ان کے قلوب پر اگر مہریں تھیں تو کیا تمہارے دلوں پر سیکڑوں مہریں نہیں کہ تم قرآن کی صداقت کو سمجھنے سے محروم ہو چکے ہو۔ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ کا مصداق کامل آج تم خود بنے ہوئے ہو۔

وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُورًا ۝ وَجَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَن يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا ۚ وَإِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْآنِ وَحْدَهُ وَلَّوْا عَلَىٰ أَدْبَارِهِمْ نُفُورًا ۝ (الآیۃ)

۱۷ ــــ ۴۶

یعنی اے پیغمبرؐ! جب وقت تم قرآن پڑھتے ہو تو ہم تم میں اور ان لوگوں میں جنہیں آخرت کا یقین نہیں ایک چھپا دینے والا پردہ ڈال دیتے ہیں نیز ان کے دلوں پر غلاف ڈال دیتے ہیں تاکہ قرآن نہ سمجھ سکیں اور ان کے کانوں میں گرانی پیدا کر دیتے ہیں تاکہ سن نہ سکیں۔ اس لئے جب آپ قرآن میں ایک رب کا ذکر فرماتے ہیں تو یہ لوگ بھاگ جاتے ہیں

پس انقلابی جدوجہد کے لیے دستور بجز قرآن کے اور کوئی نہیں ہوسکتا وہی ہمارا دستور انقلاب اور ضابطۂ سیاست ہے۔

والحمد للہ علیٰ ذالک ۱۲

باب سوم

شاہراہِ انقلاب

انقلاب کا طریقِ کار اور پالیسی کا تعین کرنا اور شاہراہِ انقلاب کی تشخیص کے لئے بھی ہمیں قرآن کے سوا کسی دوسری ہدایت اور روشنی کی ضرورت نہیں ہے...... ہماری انقلابی جدوجہد کی راہ وہی راہ ہے جس کو قرآن نے صراطِ مستقیم سے تعبیر کرتے ہوئے ہمیں اس کی طلب و جستجو کی ہدایت فرمائی اور جس کو ہم روزانہ دن میں پانچ وقت اپنے خالق سے مانگتے ہیں۔ یہی وہ قدیم راہ ہے جس پر چل کر ہزاروں ہستیاں منزلِ مقصود تک پہنچ چکی ہیں۔ آسمان و زمین کے ناظر نے جس وقت انسان کو آنکھیں دیکھنے کے لئے عطا فرمائیں اسی وقت ان کے سامنے یہ راہ بھی کھول دی تھی۔ آدمؑ نے اسی پر قدم رکھا اور نوحؑ نے پتھروں کی بارش میں اسی کا وعظ کہا۔ ابراہیمؑ نے اسی کی نشانی کے لئے قربان گاہ بنائی اور اسمٰعیلؑ نے اسی کے لئے اینٹیں چنیں۔ یوسفؑ سے مصر کے قید خانہ میں جب ایک ساتھی نے پوچھا تو اسی راہ کی اس نے رہنمائی کی۔ اور موسیٰؑ جب وادیٔ ایمن میں روشنی کے لئے بے قرار ہوا تو اسی راہ کی تجلّی ایک سبز درخت کے اندر نظر آئی۔ گلیل کا اسرائیلی واعظ

جب یروشلم کے قریب ایک پہاڑ پر چڑھا تو اس کی نظر اسی راہ پر تھی اور پھر جب خداوند سعیر سے چمکا اور فاران کی چوٹیوں پہ نمودار ہوا تو یہی راہ تھی جس کی طرف اس نے دنیا کو دعوت دی۔ غرضیکہ ہر داعیٔ حق اور مبلغ انقلاب الٰہی کے سامنے صرف یہی ایک راہ تھی۔

شَرَعَ لَکُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِہٖ نُوْحًا وَّ الَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ وَمَا وَصَّیْنَا بِہٖٓ اِبْرٰھِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسٰٓی اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْہِ ط (الآیۃ)

اللہ نے تمہارے دین کا وہی راستہ ٹھہرایا ہے جس پر چلنے کا اس نے نوح کو حکم دیا اور اسے پیغمبر وہی آپ کی طرف اتارا گیا اور اسی کا ہم نے ابراہیم و موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو حکم دیا کہ اس دین کے راستہ کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔ (الآیۃ)

یہی وہ راستہ ہے جس کی نسبت یوسفؑ صدیق نے قیدخانۂ مصر میں یہ کہہ کر اپنا وعظ ختم کیا تھا کہ

ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ (الآیۃ)

یعنی یہی سیدھا راستہ ہے لیکن بہت ہیں جو نہیں سمجھتے۔ الآیہ

اور یہی وہ راستہ ہے جس کی نسبت داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا تھا کہ آپ یہ اعلان کر دیں کہ

ھٰذِہٖ سَبِیْلِیْٓ اَدْعُوْٓا اِلَی اللّٰہِ عَلٰی بَصِیْرَۃٍ اَنَا وَمَنِ

یہی میرا راستہ ہے تم سب کو اللہ کی طرف پکارتا ہوں اور میں اور

اتَّبَعَنِیْ ط — جو لوگ میرے پیرو ہیں سب عقل

الآیۃ ۱۲ — ۱۰۸ — و بصیرت کے ساتھ اسی دین کے راستے پر قائم ہیں

الحمد للہ کہ ہم مَنِ اتَّبَعَنِیْ کے زمرے میں داخل ہیں اور ہمیں کسی انسان کی قرار دادہ ہوئی راہ کی ضرورت نہیں۔ یہی ہماری پولیٹکل پالیسی ہے اور یہی ہماری انقلابی جدوجہد کا طریق کار ہے۔ ہمیں نہ تو ماڈریٹ ہندوؤں کی کاسہ لیسی کی ضرورت ہے اور نہ اکسٹرمیسٹوں کی۔ اگر ہم ایسا کریں تو پھر ہماری ہلاکت و فلاکت یقینی ہے۔ ہماری کامیابی و کامرانی صرف اور صرف اسی میں ہے کہ ہم اسلام کی بتائی ہوئی راہ پر گامزن ہوں۔ ہم کو صرف اپنے اوپر نظر رکھنی چاہیئے۔ کیونکہ ہمارے پاس ایک چیز ہے جو اوروں کے پاس نہیں اور جس کو اپنی راہ و پالیسی بنا کر ہم منزلِ مقصود تک پہنچ سکتے ہیں۔ اور ان تمام چیزوں کو بھی بوجہ احسن و اکمل حاصل کر سکتے ہیں جن کو اور قومیں حاصل کر رہی ہیں۔ ہم کو چاہیئے کہ ہر طرف سے آنکھیں بند کر کے اس شے کو اپنا مقصود اور شاہراہِ عمل بنا کر چلنا شروع کر دیں جس کی تلاش میں ہمیں گھر سے نکلنے کی ضرورت بھی نہیں بلکہ ہمیشہ وہ خود ہمارے گھر کے اندر موجود ہے۔ وہ شے کیا ہے؟ اس کا جواب بالکل سہل اور آسان الفاظ میں یہ ہے کہ وہ ہے اتباعِ دین میں اور اعتصام بحبل اللہ ہمارے لئے خدا کی طرف سے ایک دائمی مقرر کردہ شاہراہِ عمل ہے اور ایک مسلم ہستی کے لئے اس کے سوا کوئی شاہراہِ عمل اور طریق کار نہیں ہو سکتا نہ پالیٹکس۔ نہ تعلیم۔ نہ اخلاق نہ معاشرت و اقتصادیات اور نہ انقلاب و ارتقا

چونکہ زمین پر جس قدر کمال اور جمال جاذب موجود ہے وہ تو سب اسی سے ہے اور خود یہ کسی چیز سے نہیں۔ دنیا میں جس قدر خوبیاں اور محاسن ہیں وہ سب اس کے نیچے ہیں۔ کیونکہ اس کے اوپر الوہیت کے درجے کے سوا اور کوئی درجہ نہیں۔ دنیا میں جس وقت سے انسانی ہدایت و شقاوت کا سلسلہ شروع ہوا ہے تو صرف یہی ایک صراطِ مستقیم اور ملتِ قدیم تمام انسانی فلاح و صلاح کا وحدہٗ لا شریک وسیلہ رہی ہے۔ اس کے سوا کوئی راہ کامیابی و کامرانی کا ذریعہ نہیں رہی۔

وَقَالُوا كُونُوا هُودًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوا قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۔ قُوْلُوْا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَا اُنْزِلَ اِلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَا اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَا اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۔

(بقرہ)

یعنی یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہودی یا عیسائی بن جاؤ تو ہدایت پاؤ گے اے پیغمبر! کہہ دے کہ کبھی نہیں ہمارے لئے تو صرف ابراہیمؑ کا طریقہ ہی ہدایت ہے اور اے مسلمانوں تم بھی کہہ دو کہ ہمارا طریقہ یہی ہے کہ اللہ پر ایمان لائیں اور قرآن پر جو ہم پر اترا ہے اور اس تعلیم پر جو ابراہیمؑ اسمٰعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ اور اولاد یعقوب پر اتری ہے اور موسیٰؑ و عیسیٰؑ کو جو تعلیم دی گئی اور تمام پیغمبروں اور رسولوں کو جو تعلیم دی گئی

ہم ان میں کوئی امتیاز و تفریق نہیں

کرتے کیونکہ ہم مسلمان ہیں۔ (آل)

فرض کرو، اگر مسلمانوں نے اپنے لئے ایک نہایت آزادانہ پولٹیکل پالیسی اختیار کرلی اور بہتر سے بہتر طریق انقلاب تجویز کرلیا۔ کانگریس سے بھی بہتر۔ ایسا پروگرام اور الٹی میٹم ان کے ہاتھ میں ہے۔ آئرلینڈ کے حکومت طلبوں سے بھی بڑھ کر جوش اور سرگرمی اپنے اندر پیدا کرلی۔ انقلاب و سیاست میں از سرتا پا وہ غرق ہو گئے۔ ان کا ہر فرد گلیڈ اسٹون اور پارنیل ہو گیا۔ لیکن ساتھ ہی اگر انہوں نے اپنے معتقدات اور اعمال کے اندر اسلامی روح پیدا نہ کی، اپنے تئیں دین الٰہی کی سلطنت کے ماتحت داخل نہ کیا اور خشیت الٰہی و تقویٰ سے محروم رہے، تو میں اس یقین کی لازوال طاقت کے ساتھ جس کے لئے کبھی موت اور شکست نہیں اور اس بصیرت الٰہی کے ساتھ جس میں کبھی تزلزل و تذبذب نہیں از سرتا پا صدائے ربانی بن کر کہتا ہوں کہ اگر آگ جلاتی ہے اور پانی ڈبوتا ہے، اگر آفتاب مشرق سے نمودار ہوتا مگر مغرب کی جانب غروب ہوتا ہے۔ اگر مچھلی خشکی میں اور پرندہ دریا میں زندہ نہیں رہ سکتا۔ اگر قوانین فطریہ اور نوامیس طبعیہ میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ اور اگر یہ سچ ہے کہ دو اور دو پانچ نہیں بلکہ ہمیشہ چار ہوتے ہیں، تو یہ کبھی نہ مٹنے والی صداقت اس صفحہ کائنات پر نقش سنگی ہے کہ مسلمانوں کی یہ تمام تر سیاسی ہنگامہ آرائی اور تعلیم و تربیت کا غوغائے محشر خیز اور پولیٹیکل پالیسی کے تغیر و تبدل کا ہیجان طوفان آور اور انقلاب کے نعرہ ہائے

فلک شگاف ایک لمحہ، ایک دقیقہ، ایک عشر دقیقہ تک کے لئے بھی کچھ نفع نہیں پہنچا سکے گا۔ ان کی تمام جد وجہد بیکار جائے گی۔ تغیر کا ابر باراں ان پر سے بغیر ایک قطرۂ بارش کے گزر جائے گا۔ ان کی امیدوں کی خشک سالی بدستور باقی رہے گی۔ انقلاب حال کا آفتاب جہاں تاب بغیر ایک کرن یا شعاع چمکائے افق مغرب میں غروب ہو جائے گا۔ وہ جس قدر سعی رہائی کریں گے، اتنا ہی چاروں طرف کی لپٹی ہوئی زنجیروں کی بندشیں سخت تر ہوتی جائے گی۔ گمراہی وضلالت کا شیطان کبھی ان سے الگ نہ ہوگا۔ ان کے گلوں میں جو طوقِ ذلت اور پاؤں میں جو زنجیر ادبار و تسفل پڑی ہوئی ہے وہ قیامت تک نہ ٹوٹے گی۔ جہالت وضلالت۔ اسر و غلامی۔ ذلت و خواری کی صفوں میں ہمیشہ محصور رہیں گے اور دنیا میں ایک لمحہ کے لئے بھی ان کو قومی عزت کا چہرہ دیکھنا نصیب نہ ہوگا۔ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ۚ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ۔

جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور جن کی جگہ غرور سے اکڑ بیٹھے تو یاد رکھو کہ ان کے لئے نہ تو آسمانی برکت کا دروازہ کبھی کھلے گا اور نہ بہشت کی زندگی انھیں نصیب ہوگی۔ ہاں اگر ایسا ہو سکتا ہے تو سوئی کے ناکے میں سے اونٹ گذر جائے تو یہ

بھی ممکن ہے کہ وہ ہماری آیات کو
جھٹلا کر پھر فلاح و برکت بھی حاصل کر سکیں

میں نے کہا کہ آگ جلاتی اور پانی ڈبوتا ہے۔ نہیں۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ یہ تو ممکن ہے کہ آگ نہ جلائے اور پانی نہ ڈبائے۔ مگر یہ تو کسی طرح ممکن نہیں کہ خدا کا وہ قانون شقاوت و ہدایت بدل جائے، جس کے لیے ابتدائے خلقت بنی آدم سے آج تک تاریخ میں کوئی مستثنیٰ شہادت موجود نہیں۔ میں یہ لکھ رہا ہوں اور میرے اندر یقین اور اعتقاد کی ایک آواز بے چین و مضطرب ہے۔ مگر افسوس کہ اس کی ترجمانی کیلئے مجھے الفاظ نہیں ملتے۔ حیران ہوں کہ کیونکر اور کن لفظوں میں اپنا دلی یقین آپ کے دلوں میں بھی پیدا کر دوں۔ تاہم میں یہ کہنے سے بھی نہ تھکوں گا کہ جن احکام اسلام کو آپ نہایت بے پروائی سے ایک مذہبی بندش کہہ کر گزر جاتے ہیں، وہ بندش تو ضرور ہے، مگر ایک ایسے قانون کی بندش ہے جس کی سلطنت تمام قوانین مادیہ کے نظام حکومت سے بالاتر اور وراء الورٰی ہے۔ اور نظم کائنات کے تمام اجزاء بندش سے بندھ کر مرتب اور منظم ہوتے ہیں۔ یہی بندش ہے کہ لسانِ الٰہی نے اس کو کہیں حدود اللہ کے لفظ سے یاد کیا ہے۔ کہیں سُنۃ اللہ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ کہیں فطرۃ اللہ اس کا نام رکھا ہے۔ کہیں صراط مستقیم کہا ہے اور کہیں دینِ قیّم کے خطاب سے یاد کیا ہے۔ وہ فی الحقیقت ایک ربانی حکومت کا انتظام ہے۔ اور جب کوئی فرد یا قوم اس کے تحت و تسلط

سے نکلنا چاہتی ہے تو وہ گویا خدا کے ساتھ اعلان جنگ کر دیتی ہے پھر اس کی زندگی کے تمام اعمال یکسر بغاوت اور سرکشی ہو جاتے ہیں اور وہ رحمانی سلطنت سے نکل کر شیطانی حکومت میں داخل ہو جاتی ہے۔

یٰاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ

خدا کہتا ہے کہ اے انسان حقیر بتلا کہ کس چیز نے تجھ کو اس پہ آمادہ کر دیا کہ اپنے رب کریم سے بغاوت کرے

دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک باغی انسان کو دنیا کی کوئی گورنمنٹ پناہ نہیں دے سکتی۔ اسی طرح رب السماوات والارض کی بغاوت اور قانون شکنی کے بعد بھی کوئی امت کا ہر دروازہ اس پر بند ہو جاتا ہے کسی بھی میں وہ کامیاب نہیں ہوتا اور کوئی کوشش اس کی فلاح نہیں ہوتی۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (الآیۃ)

جو شخص اسلام کے سوا کسی دوسری تعلیم کو تلاش کرے گا اس کی سعی و تلاش کبھی مقبول نہ ہوگی اور اس کے تمام کاموں کا آخری نتیجہ ناکامی و نامرادی ہوگا۔

قرآن مجید نے امم سابقہ و اقوام پیش کا تذکرہ بار بار کیا ہے یہ صرف اس لئے ہے کہ اس قانون ہدایت و شقاوت کے نتائج پر انسان کو توجہ دلائی جائے۔ جا بجا ان اقوام متمدنہ و عظیمہ کی طرف اشارہ کیا ہے جو آنے

والی اقوام سے زیادہ قوی اور مستحکم تمدن رکھتی تھیں لیکن جب انھوں نے احکام الہیہ کو پس پشت ڈال دیا اور خدا کی حکومت میں رہ کر اس سے بغاوت اور سرکشی شروع کر دی، تو کوئی انسانی سعی و تلاش فلاح ان کو ہلاکت و بربادی سے نہ بچا سکی - یہاں تک کہ آج ان کے آثار و اطلال بھی دنیا میں باقی نہیں -

اَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ط كَانُوا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوهَا اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوهَا وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ط

۳۰ ــــ ۸

کیا یہ لوگ زمین پر چلتے پھرتے نہیں؟ اگر پھرتے تو دیکھتے کہ جو قومیں ان سے پہلے ہو گزری ہیں ان کا کیا انجام ہوا؟ یہ وہ قومیں تھیں، جو تمدن و ترقیات اور قوت نفسانی میں بڑھ کر قوی تھیں - انھوں نے زمین پر اپنے کاموں کے نشان چھوڑے اور جس قدر تم نے اس کو متمدن بنایا ہے اس سے کہیں زیادہ انھوں نے تمدن پھیلایا لیکن جب ہمارے رسول ان میں بھیجے گئے اور ہماری نشانیاں ان کو دکھلائی گئیں تو انھوں نے سرکشی اور بغاوت سے جھٹلا دیا اور اور برباد و فنا ہو گئے. خدا ظلم کرنیوالا نہ تھا لیکن خود انھوں نے اپنے اوپر ظلم کیا -

یہی اسلام وہ قانون حیات و ممات اقوام ہے جس کی طرف قرآن نے جابجا اشارہ کیا ہے۔

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرٌ

جتنی مصیبتیں اقوام و ملل پر نازل ہوتی ہیں اور جو خود تم پر نازل ہوتی ہو وہ سب ہم نے پہلے سے ایک کتاب میں لکھ رکھی ہیں۔ یعنی پہلے سے وہ بصورت ایک قانون منضبط کر دی ہے اور ایسا کرنا اللہ کے لئے کوئی مشکل بات نہ تھی۔

غور کیجئے تو یہ کوئی ایسا دعویٰ نہیں ہے جس کے لئے زیادہ دلائل آرائی مطلوب ہو۔ اور اگر مطلوب ہے تو اس لئے کہ دنیا میں آج خود اسلام کے پیروؤں ہی کے لئے سب سے زیادہ اس کی دعوت ایک معمہ بنی ہوئی ہے۔ اسلام تو فی الحقیقت ان قوائے فطریہ کے صحیح استعمال کا نام ہے جن کی حکومت سے دنیا کی کوئی شے خارج نہیں۔ مچھلی کے لئے پانی میں تیرنا۔ پرندوں کے لئے ہوا میں اڑنا۔ نباتات کا زمین میں نشوونما پانا اور انسان کا زمین کے اوپر رہنا۔ یہ سب چیزیں اسلام کے مفہوم حقیقی میں داخل ہیں۔ کیونکہ اس کا دوسرا نام سنت اللہ اور فطرت اللہ ہے۔ پھر کیا مچھلی پانی کی جگہ ہوا میں۔ پرندہ ہوا کی جگہ پانی میں اور انسان زمین کو چھوڑ کر سمندروں میں زندہ رہ سکتا ہے؟ اگر نہیں رہ سکتا تو اس کے یہ معنی ہوئے

کہ دنیا میں کوئی شے غیر مسلم ہو کر زندہ نہیں رہ سکتی۔ حیات اور زندگی کی راہ صرف اسلام ہے۔ اسلام کی تجویز کردہ راہ کے بغیر کوئی چیز زندہ نہیں رہ سکتی۔ پس حیات ابدی صرف مسلم کے لئے ہے غیر مسلم ہو کر کوئی چیز بھی زندہ نہیں رہ سکتی۔ یہی ایک راستہ ہے جس پر گامزن ہو کر دنیا کی قومیں زندگی حاصل کر رہی ہیں۔ آج دنیا میں جو قومیں زندہ ہیں گو ان کو معلوم نہ ہو کہ وہ اسلام ہی کے سرچشمہ سے سیراب ہو رہی ہیں۔ یہ ہماری اپنی بدبختی ہے کہ پاس رہ کر بھی ہم تشنہ لب ہیں۔

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۝ (الآیۃ)

۳ ۔ ۱۴

کیا وہ لوگ دین الٰہی کو چھوڑ کر کسی اور تعلیم کو اپنا حاکم بنانا چاہتے ہیں حالانکہ اس آسمان و زمین میں کوئی نہیں جو چار و ناچار اسی دین اللہ کا مسلم و حکم بردار نہ ہو۔ الآیۃ

پس مسلمانوں اپنا سفر اسی راہ پر شروع کرنا چاہیئے جو ان کے سفر کے لئے قدرتی راہ ہے اور جو سفر کہ بہت پہلے شروع ہو جانا چاہئے تھا مگر نہیں ہوا۔ ان کو نہ پولیٹیکل پالیسی کی تلاش و جستجو میں وقت ضائع کرنا چاہئے نہ اعلیٰ تعلیم کے افسانہ لا متناہی میں پڑنا چاہیئے، نہ لیگ کے غلامانہ اور سوت آور پالیٹیکس پر توجہ کرنی چاہئے اور نہ کانگریس کی رپورٹوں میں اپنے لئے نسخۂ فلاح ڈھونڈنا چاہئے۔ ان کو صرف ایک ہی کام کرنا چاہئے یعنی بالا یہ سوچے ہوئے کہ ہم کیا کر رہے ہیں اور کہاں

جا رہے ہیں اور کس راستہ پر گامزن ہیں اپنا ہاتھ دستِ الٰہی میں دے دینا چاہیئے۔ نہ وہ پالیٹیکس سوچیں اور نہ تعلیم، نہ آزادی کی مدح کریں اور نہ غلامی کا طوق پہنیں۔ یہ باتیں سوچنا ان کا کام نہیں۔ ان کا فیصلہ خدا کو کرنا تھا اس نے کر دیا ہے۔ ان کا صرف یہ کام ہے کہ اتباعِ کلماتُ اللہ اور اطاعتِ صراطِ مستقیم کے لئے تیار ہو جائیں اور اپنے تئیں تمام انسانی تعلیموں اور اقوام کے محاکات و اتباع کے ولولوں سے خالی کر کے صرف اسی ایک دستِ رہنما کی رہنمائی میں آجائیں اور اس کی بتائی ہوئی راہ پر گامزن ہو جائیں اور اس کے تعلیم کئے ہوئے لائحہ عمل کو اختیار کر کے ہر طرف سے آنکھیں بند کر لیں۔ اگر وہ ان کو پالٹیکس میں بلاتا ہے تو لبیک کہہ کر دوڑ جائیں۔ اگر وہ اس سے اجتناب کی تعلیم دے تو اشارے کے ساتھ ہی مجتنب ہو جائیں۔ اگر وہ کہے کہ غلامی اور خوشامد ہی راستے فوز و فلاح کے ہیں تو سرتاپاؤں تک غلامی کی تصویر بن جائیں۔ اگر وہ کہے کہ آزادی اور حقوق طلبی ہی قوموں کی عزت اور زندگی کی راہ ہے تو ان کا وجود یکسر پیکرِ حریت و جہدِ حریت ہو جائے۔ اگر وہ کہے کہ انقلابِ اقوام ہی دنیا میں قوموں کی زندگی و حیات کا طریق ہے تو مجسمۂ انقلاب بن جائیں۔ غرضکہ اخلاق، تعلیم، تمدن، شائستگی، اصلاح معاشرت، سیاسیات و معاشیات، اقتصادیات و معاشریات، انقلاب و ارتقاء، متمدن زندگی کے جتنے اجزاء ہیں ان سب میں، وہ اسلام کے بتائے ہوئے راستے اور

خدا کے تعلیم کئے ہوئے لائحہ عمل پر ثابت قدم رہتے ہوئے گامزن ہو جائیں اور اپنے سفر کی ابتدا کر دیں۔ ان کو ہر طرف سے ہٹ کر صرف اسی ایک راستہ کا مسافر بن جانا چاہیئے۔

یہی طریقِ انقلاب ہے اور یہی انقلابِ اقوام کا شاہراہ ہے اور یہی انقلاب کا سالک اور یہی انقلاب آور جماعت کا لائحہ عمل ہے اور یہی ہماری پالیسی ہے۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ط

باب چہارم

اغراض و مقاصد انقلاب

سیاست کی زبان اگرچہ بعض حالتوں میں جنگ کے اسباب و مقاصد کو نہایت پیچیدہ الفاظ میں بیان کرتی ہے۔ لیکن استقراء تام و استقصاء جزئیات سے ان کی تعیین نہایت آسانی کے ساتھ ہو سکتی ہے۔

تاریخ انسانیت کی پہلی جنگ

قرآن مجید سے ثابت ہوتا ہے کہ دنیا کی سب سے پہلی جنگ کو صرف بغض و حسد کے جذبات نے قائم کیا تھا۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ۝ لَئِنْ بَسَطْتَ إِلَيَّ يَدَكَ

اور آدم کے دونوں بیٹوں کا صحیح صحیح قصہ ان لوگوں کو سنا دو جب کہ ان دونوں نے خدا کے لئے قربانی کی لیکن ایک کی مقبول اور دوسرے کی نا مقبول ہوئی۔ اس پر دوسرے نے حسد سے بھڑک کر کہا "میں تجھ کو قتل کر دونگا" دوسرے نے جواب دیا کہ یہ حسد ناحق کا ہے

لِتَقْتُلَنِي مَا أَنَا بِبَاسِطٍ يَدِيَ
إِلَيْكَ لِأَقْتُلَكَ ج إِنِّي أَخَافُ
اللَّهَ رَبَّ الْعٰلَمِينَ إِنِّي أُرِيدُ
أَن تَبُوءَ بِإِثْمِي وَإِثْمِكَ
فَتَكُونَ مِنْ أَصْحٰبِ النَّارِ
وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِينَ ج
فَطَوَّعَتْ لَهُ نَفْسُهُ قَتْلَ
أَخِيهِ فَقَتَلَهُ فَأَصْبَحَ مِنَ
الْخٰسِرِينَ ۔ فَبَعَثَ اللَّهُ غُرَابًا
يَبْحَثُ فِي الْأَرْضِ لِيُرِيَهُ كَيْفَ
يُوَارِي سَوْءَةَ أَخِيهِ ط
قَالَ يٰوَيْلَتٰى أَعَجَزْتُ أَنْ
أَكُونَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ
فَأُوَارِيَ سَوْءَةَ أَخِي ج
فَأَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِينَ م مِنْ
أَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰى
بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنَّهُ مَنْ قَتَلَ
نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ

اس میں میرا کوئی قصور نہیں ۔خدا تو
صرف پرہیزگاروں ہی کی قربانی قبول
کرتا ہے ۔اگر تم نے میرے قتل کے
لئے ہاتھ بڑھایا اور خیر مجھے قتل کر ڈالو
مگر میں تو اپنا ہاتھ تمہارے قتل کیلئے
ہرگز نہ اٹھاؤں گا کیونکہ میں دنیا کے
پالنے والے خدائے برحق سے ڈرتا
ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم ہی پر میرے
اور تمہارے دونوں کے گناہوں کا
وبال پڑے اور تم ہی اصحاب النار میں داخل
ہو بالآخر اس کے دل نے اس کو اپنے
بھائی کے قتل وخون پر آمادہ کر دیا اور
اس نے قتل کر کے اپنے سامنے ناکامی کا
راستہ کھول دیا۔ پھر خدا نے ایک کوے کو
بھیجا جو زمین کریدتا تھا تاکہ اس کو اپنے
بھائی کے دفن کرنے کا طریقہ بتائے۔ اس کو
دیکھ کر اس نے کہا حیف ہے کہ میں اس
کوے سے بھی گیا گزرا۔ وہ تو اپنے ایک
ہم جنس کو گاڑنے کے لئے زمین کھود

اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَکَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا وَمَنْ اَحْیَاھَا فَکَاَنَّمَآ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا

(المائدۃ)

۶ — ۳۷

رہا ہے لیکن میں انسان ہو کر اپنے بھائی کے ساتھ ایسا سلوک کرتا ہوں غرضیکہ وہ اپنے دل میں نادم و متاسف ہوا۔ اور اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ فرض کر دیا کہ جس شخص نے کسی کو بغیر قصاص کے یا بغیر کسی فساد کے قتل کر دیا تو گویا اس نے اپنی گردن پر تمام دنیا کا خون لے لیا اور جس نے کسی ایک آدمی کو قتل سے بچایا تو گویا اس نے تمام دنیا کو زندہ کر دیا ۔ الآیۃ

اس بیان کو تورات سے ملانے کے بعد واضح ہوتا ہے کہ وہ آدم کے بیٹے قابیل و ہابیل تھے۔ ہابیل کی قربانی قبول ہوئی کہ نیکی کی قربانی کبھی رد نہیں ہوتی اور قابیل کی قربانی قبول نہ کی گئی کہ وہ دل کا نیک نہ تھا اور بدی کا عمل کبھی قبول نہیں کیا جاتا۔ یہ دنیا کی پہلی لڑائی تھی جس میں اولادِ آدم نے شیطان سے اپنی بہیمیت سیکھی۔ لیکن وہ دونوں درحقیقت آدم کے بیٹے نہ تھے، بلکہ جنگ و صلح کی مجسم تصویر تھے اور ان میں سے ہر ایک تصویر دنیا کو جنگ و صلح کا متضاد منظر ایک ہی وقت میں دکھا رہی تھی۔ ایک نے جذبۂ حسد سے اپنے بھائی کو قتل کر کے گناہوں بلکہ تمام دنیا کے گناہوں کا بوجھ اپنے سر پر لے لیا۔ جذبۂ بہیمی و شیطانی کا بدترین نمونہ قائم کیا اور نوعِ انسانی کے لئے سب سے بڑی معصیت کی بنیاد رکھی۔

کما ورد فی الحدیث قال صلے اللہ علیہ وسلم ط

لا تقتل نفس الا کان علےٰ ابن اٰدم کفل منہا

(بخاری جز ۹ ص ۳)

ہر وہ شخص جو قتل کیا جاتا ہے تو اس کے خون کا ایک حصہ آدم کے اس بیٹے ہی کی گردن پر ہوتا ہے جس نے قتل و خونریزی کی سب سے پہلے بنیاد ڈالی تھی۔(الحدیث)

لیکن بعد کو اس ناپاک اور بوجھ کے ثقل کی فرطِ ندامت سے اس کی گردن جھک جاتی ہے۔ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِیْنَ

لیکن دوسرے نے صلح کا ہاتھ بڑھایا اور خون بہانے کے لئے آمادہ نہ ہوا۔ اس لئے کہا کہ تم میرے قتل پر ہاتھ اٹھاتے ہو تو اٹھاؤ، مگر میں تمہارے قتل کے لئے ہاتھ نہیں اٹھا سکتا۔ آخر کار صلح و امن کی ملکوتیت پر جنگ کی بہیمیت غالب آئی اور وہ قتل کر دیا گیا۔ پھر یہ عالم ہوا کا ایک مکروہ، بدشکل، مردار خور اور ذلیل پرندہ جو مقتولین جنگ کی لاشوں کو نوچ نوچ کھایا کرتا ہے آتا ہے اور اپنے ہم جنس کی لاش دفن کر کے قبر کھودنے کا طریقہ بتاتا ہے اس پر قاتل کی بہیمیت کو کوّے کی حیوانیت سے بھی شرم آنے لگتی ہے کہ: یٰوَیْلَتٰٓی اَعَجَزْتُ اَنْ اَکُوْنَ مِثْلَ ھٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِیَ سَوْاَۃَ اَخِیْ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِیْنَ ط

آخر کار خدا اس اوّلین تمثیل جنگ و صلح کے بعد ہمیشہ کے لئے ایک نظام عدل قائم کر دیتا ہے کہ ________ مِنْ اَجْلِ ذٰلِکَ

کَتَبْنَا عَلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ... الخ (الآیۃ) (الآیۃ)

تاریخ اسلام کا حیرت انگیز انقلاب

اسلام اسی صلح ہابیلی کا آخری نتیجہ اور اسی نظام عدل کی آخری کڑی ہے۔ وہ اس ابتدائی عہد بشری سے برابر بڑھتی رہی اور مختلف صورتوں اور متعدد تعلیموں میں ظاہر ہوتی رہی۔ لیکن دنیا میں ہمیشہ نیکی برائی کے بعد پھیلتی ہے اور نور ہمیشہ ظلمت کے بعد جلوہ افگن ہوتا ہے۔ اسلام سے پہلے دنیا آدم کی اسی فطرت اولی پر عمل کر رہی تھی۔ عرب کی تمام لڑائیاں بغض و انتقام، رشک و حسد، مناقشت و مباغضت کا نتیجہ ہوتی تھیں۔ حرب داحس اور غبراء نے صرف ایک گھوڑے کے بھڑکا دینے پر تمام عرب میں آگ لگا دی۔ حرب بسوس نے صرف ایک اونٹنی کے لئے تمام عرب میں قیامت برپا کر دی۔

مہذب سلطنتوں میں ملک گیری کے لئے جو سلسلۂ جنگ قائم ہو جاتا ہے۔ وہ اگرچہ اپنی نمائشی خصوصیات میں غیر متمدن اقوام اور وحشیانہ لڑائیوں سے کسی قدر مختلف نظر آتا ہے، لیکن درحقیقت اس کی آخری کڑی بھی اسی فطرت اولیہ سے جا کر ملتی ہے۔ جس کا ظہور قابیل کی شیطنت کے اندر سے ہوا تھا اور جس کی تمثیل تورات اور قرآن دونوں نے دی۔ اسلام دنیا میں آیا تو ان دونوں قسم کی لڑائیوں نے سطح ارض کو ایک معرکۂ جنگ بنا رکھا تھا۔ لیکن اس نے دفعتاً لڑائی کے حلق کی شہ رگ کاٹ دی۔

لاتباغضوا ولا تحاسدوا ولا تدابروا — ایک دوسرے سے دل میں عداوت اور کینہ نہ رکھو۔ باہم حسد نہ کرو اور آپس میں باہم ایک دوسرے کی جگہ پر اسے پیچھے ہٹا کر قبضہ کرو۔" (الحدیث)

وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ط (الآیۃ)

اور تم لوگ باہم جنگ وجدل اور قتل وخونریزی کی وجہ سے گویا آگ کے گڑھے پر کھڑے تھے اور وہ بھڑک رہی تھی لیکن خدا نے اسلام کی تعلیم دے کر تمہیں اس آگ سے نکال لیا

روم اور فارس کی مہذب سلطنتیں ملک گیری کے لئے باہم دست وگریباں تھیں۔ اسلام نے ان کے مقابلے میں پکار کر کہا کہ دنیا اور دنیا کی پرفضا زمین اس لئے نہیں بنائی گئی ہے کہ اس پر بنی نوع انسان کے خون کا سیلاب بہایا جائے۔ ایک فریق دوسرے فریق کو نکال کر تمام روئے زمین پر خود قابض ہو جائے اور آدم کی بہت سی بے خانماں اولاد کو نئی آبادیاں ڈھونڈنی پڑیں۔ بلکہ دنیا کی سطح صرف اس لئے ہے کہ اس آدم کا ہر بچہ اپنے اپنے مرکز پر قائم رہ کر خدا کی عبادت میں مصروف رہے اور جو خلقت عبادت الٰہی کے لئے پیدا کی گئی ہے وہ جنگ و خونریزی کے کاموں کے لئے نہیں ہو سکتی؛

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ (الآیۃ)

ہم نے جن وانس کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے نہ کہ بغض اور لوٹ مار

کے لئے اور عداوت وقتل و غارت اور
شر و فساد کے لئے ۔ (آلایتہ)

اس وقت جبکہ دنیا نے نظامِ امن کو بدل دیا تھا۔ جب کہ ایک فریق دوسرے فریق کو پامالِ ستم کر رہا تھا۔ جب کہ ایک سلطنت دوسری سلطنت کے ممالک مقبوضہ کو چھین رہی تھی ۔ اسلام آیا اور اس ظالمانہ نظام کو بدل کر ایک نیا عادلانہ نظام قائم کیا۔ جس کا مقصد دنیا کی تمام لڑائیوں سے بالکل مختلف تھا۔

دنیا کی خوں ریز لڑائیوں کا مقصد جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔ صرف بغض و انتقام کے تشنہ کام جذبات خبیثہ کی پیاس بجھانا تھا۔ انسان فرطِ غیظ و غضب میں اگرچہ جنگ کو ایک عظیم الشان مقصد خیال کرتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ جس چیز کو غضب انسانی مقصدِ عظیم خیال کرتی ہے۔ مدنیت فاضلہ اس کو کوئی مقصد بھی نہیں قرار دیتی ۔ ڈاکہ اور راہزنی کسی متمدن انسان کا مقصد نہیں ہو سکتا۔ ظلم و تعدّی انسانیت کی غرض نہیں ہو سکتی بغض و انتقام کے بعد انسان کے ہاتھ میں انسانیت کے لئے کیا رہ جاتا ہے ؟ اگر تمدن سچا اور شائستگی واقعی شائستگی ہے تو وہ قومی وحشی بغض و انتقام کے ساتھ کبھی جمع نہیں ہو سکتی ۔

عرب سے زیادہ اس قسم کی جنگ و خونریزی کے لئے کس نے دوڑ دھوپ کی ہوگی ! لیکن دیکھو خدا خود کہتا ہے :

هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ط کیا ہم تمھیں سب سے زیادہ نقصان

اَلَّذِیۡنَ ضَلَّ سَعۡیُهُمۡ فِی الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا وَ هُمۡ یَحۡسَبُوۡنَ اَنَّهُمۡ یُحۡسِنُوۡنَ صُنۡعًا (الآیۃ)

میں رہنے والوں کا پتہ دیں! یہ وہ لوگ ہیں جن کی کوششیں اور دنیوی زندگانی میں بھی بیکار گئیں اگرچہ وہ سمجھ رہے ہیں کہ ایک بہت بڑا کام کر رہے ہیں۔

اس بنا پر درحقیقت اسلام سے پہلے جنگ کا پیکر خونیں روح و حقیقت یعنی مقصد سے بالکل خالی تھا اور دنیا کے ہاتھ میں کشت و خون کے بعد ندامت کے سوا کچھ نہیں آتا تھا۔ چنانچہ ایک جاہل شاعر جنگ کے آخری نتائج کا ذکر ان حسرت آمیز الفاظ میں کرتا ہے:

فابوا بالرماح مکسرات

وابنا بالسیوف قد انحنینا

وہ لوگ ٹوٹے ہوئے نیزے، اور ہم کج شدہ تلواریں لے کر میدان جنگ سے واپس آئے، یہی وجہ ہے کہ دنیا کی زبانوں میں جنگ کے لیئے کوئی ایسا لفظ وضع نہیں کیا گیا جو اس کے مقصد پر دلالت کرتا ہو۔ بلکہ جنگ کے تمام نام محض اس کے اوصاف و نتائج ہی کا بیان تھے۔ لیکن اسلام نے جنگ کو "جہاد" کی وسیع اصطلاح کے ماتحت لاکر اس کے مقصد اور حقیقت کو اس کے نام ہی سے واضح کر دیا۔ یہی اعلیٰ مقصد ہے جس کے لیئے اسلام نے ہر موقع پر جد و جہد، کوشش و سعی اور دوڑ دھوپ کی ترغیب دی ہے۔

لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ ۚ فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً ۚ وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ ۚ وَفَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ○ (الآیۃ)

مسلمانوں میں جو لوگ معذور نہ تھے باایں ہمہ گھر میں بیٹھے رہے وہ ان لوگوں کا مرتبہ نہیں پا سکتے جنھوں نے اپنے اموال اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ ایسے مجاہدین کو گھر میں بیٹھ رہنے والے مسلمانوں پر ایک خاص درجہ تک بزرگی دی اگرچہ دونوں کے لئے بمقابلہ غیر مجاہدین کے اجر عظیم ہے۔

لیکن یہ جد و جہد اور دعوت کس مقصد اور کس غرض کے لئے تھی۔ اس کی غرض و غایت کیا تھی۔ قرآن مجید سے اس کا جواب نہایت مختصر اور سادہ الفاظ میں دیا ہے:

حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ (الآیۃ)

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ (الآیۃ)

(توبہ)

دنیا میں فتنۂ ظلم و فساد باقی نہ رہے اور دین اللہ کے لئے ہو جائے۔ (الآیۃ)

وہ خدا ہی ہے جس نے اپنے رسول کو نوع بشری کی ہدایت اور دین حق کی دعوت کے لئے بھیجا تاکہ اس کی سچائی کو دنیا کے تمام ادیان پر غالب کر دے۔ (الآیۃ)

لیکن انہی سادہ اور مختصر الفاظ نے عرب کی تاریخ کا ڈھانچہ بدل دیا۔ اقوام قدیمہ کی لڑائیوں کا اصل مقصد اکثر محض قتل و غارت، سیادت، ارضی وسعت ممالک، عزت و نمود اور اظہار شجاعت ہوتا تھا عرب کا بھی یہی حال تھا جس کے اندر اسلام کی دعوت شروع ہوئی۔

وایامنا مشہورۃ فی عدونا

لہا غرر معلومۃ وحجول

"ہمارے معرکے ہمارے دشمنوں میں نہایت مشہور ہیں۔ ان کے نقش و نگار اب تک اچھی طرح چمک رہے ہیں۔" ان کے بغل بوٹے

والا اکن اشجع ناس فانی

بضرب الطلی والہام اخو علیم

"اگرچہ میں بہت بڑا بہادر نہیں ہوں، تاہم سر اور گردن اڑا دینے کا خوب ماہر ہوں۔" (یہ گویا کسر نفسی ہے)

مشینا مشیۃ لیث

غدا واللیث غضبان

"ہم میدان میں شیر کی چال چلے، ایسا شیر جو صبح کے وقت شدت گرسنگی میں نہایت غضبناک ہو کر شکار کی جستجو میں اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔" اس قسم کا اظہار صرف میدان جنگ ہی میں نہیں کیا جاتا تھا بلکہ وہاں سے پلٹ کر عورتوں کو اپنی بہادری کے افسانے سنا کر انھیں اپنے کارنامہ اعمال سے مرعوب کرتے تھے۔

فانك لو رأيت ولن تريه
الف القوم تخرق بالقنيا

اے معشوقہ! اگر تو دیکھتی حالانکہ تیرا دل گردہ یہ نہ تھا کہ دیکھ سکتی کہ دشمنوں کی ہتھیلیاں کیوں کر نیزوں سے چھیدی جارہی ہیں تو تجھ کو میدان قیامت کا منظر نظر آجاتا۔

كفاك الناى ممن لم تريه
دعجت المعوا فب بالقينا

"اگر تو نے مجھے اس معرکہ میں نہیں دیکھا تو یہ بہتر ہے۔ ورنہ اپنے اور اپنی قوم کے فرزندوں کے لئے دعائے خیر کرتی" لیکن جس طرح عرب کا اصل مقصد "غارت گری" اس مقصد کے لئے منافی نہیں تھا بلکہ دونوں ساتھ ساتھ پورے کیے جا سکتے تھے۔ اسی طرح اشاعت و اعلان حق اور دعوت صداقت و عدالت کے ساتھ بھی اس مقصد کو پورا کیا جا سکتا تھا۔ عرب کی لڑائیوں کی تمام خصوصیات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے سامنے موجود تھیں اور ان کا جوش ان کو اور زیادہ نمایاں کرنا چاہتا تھا۔

ایک صحابی نے آپ سے دریافت کیا۔

الرجل يقاتل للمغنم والرجل يقاتل للذكر والرجل يقاتل ليرى مكانہ	آدمی کبھی لوٹ مار کے لئے لڑتا ہے کبھی شہرت کے لئے اور کبھی میدان میں اپنی شجاعت کے اظہار کیلئے لیکن

ممن سبیل اللہ
(الحدیث)

حضور فرمائیں کہ ان میں سے کون شخص مجاہد فی سبیل اللہ ہے؟

چونکہ اسلام نے ہر عمل کا اصول اوّلین یہ قرار دیا ہے انما الاعمال بالنّیات (الحدیث) ہر عمل کا ثواب تمہاری نیتوں کی بنا پر ہے۔ اس لیۓ اگرچہ یہ مقاصد اشاعت کلمۂ حق کے منافی نہ تھے تاہم اسلام خلوص اور حسن عدالت حقّہ کا واعظ تھا، اس کے لحاظ سے ضرور تھا کہ اس بارے میں سب سے پہلے نیتوں ہی کو درست کرے۔ کیونکہ انہی کا اثر خارج کے تمام اعمال پر پڑتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس سائل کو جواب دیا:

من قاتل لتکون کلمۃ اللہ هی العلیا فهو فی سبیل اللہ
(بخاری)

جس شخص نے اس نیت سے لڑائی کی خدا کا بول بولا ہو اور اس کی سچائی قائم کی جاۓ تو صرف اسی کا قتال خدا کی راہ میں ہے۔

حقیقت اگر حقیقت ہے تو پردے میں نہیں رہ سکتی۔ حضرت داعیٔ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جہاد اسلامی کی اس حقیقت کا اظہار کیا تو خدا نے عملی نمونہ قائم کر کے اس کے اشتباہ کو زائل کر دیا۔

دنیائے سیاست کے مکر و خدع کا ایک عجیب منظر

ہاتھی کے دانت دکھانے کے اور ہوتے ہیں، کھانے کے اور۔ بعینہ

اسی طرح جنگ بھی ظاہری و باطنی دو قسم کے اسباب کا نتیجہ ہوتی ہے لیکن سیاست کی زبان ظاہری اسباب دکھا کر تمام دنیا سے اپنے ہجوم و اقدام کے جواز کا فتویٰ لے لیتی ہے اور جنگ کے حقیقی اسباب کو ان کے پردے کی تاریک آڑ میں چھپا دیتی ہے۔

جنگ کا حقیقی سبب حرص و طمع کی وہ فوج ہے جو ہمیشہ اپنی کمین گاہ یا دشاہوں کے دلوں کو بناتی رہتی ہے۔ یہی فوج دوسری ہمسایہ سلطنتوں پر دھاوا مارتی ہے اور دنیا کی دوسری ضعیف قوموں کے دبانے کے گھات میں لگی رہتی ہے لیکن جب تک حملہ کا کوئی ظاہری سبب پیدا نہیں ہوتا وہ خاموشی کے ساتھ انتظار کرتی ہے۔ جب خوش قسمتی سے اس قسم کا موقع ہاتھ آجاتا ہے تو پھر علانیہ میدان جنگ میں آجاتی ہے اور اپنے مظالم و وحشت پر ظاہری اسباب کا پردہ ڈال کر دنیا کو خدع و فریب میں مبتلا رکھتی ہے۔ حتیٰ کہ قتل کرتی ہے مگر کہتی ہے کہ امن و تہذیب کے قیام کی ایک مقدس خدمت انجام دی جا رہی ہے شخصی سلطنت کے زمانے میں جنگ کا اعلان صرف بادشاہ یا سپہ سالار کے ارادہ کی بنا پر کیا جاتا تھا۔ کسی کو اس کے اسباب کے دریافت کرنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ مگر اکثر اس حملہ کا تعلق بادشاہ کی ذات اور شخصیت سے ہوتا تھا۔ ملک اور قوم پر عاشقانہ رقابت کی بناء پر عظیم الشان جنگیں ہو گئی ہیں۔ اور کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ چند ناگوار لفظوں نے بغض و انتقام کی آگ دفعتاً دنیا میں بھڑکا دی ہے۔

سلاطین جب تک انتقام لینے کی قدرت رکھتے تھے۔ شخصی سلطنتوں میں ان کے اظہار سبب اور توجیہہ و تعلیل کی ضرورت پیش آتی تھی تمام فوج اور تمام ملک ان کے اشارۂ چشم و ابرو کے ساتھ دفعتاً حرکت میں آجاتا تھا۔ لیکن جب وہ ضعیف ہوجاتے ہیں اور ان کا قدم میدان جنگ کی طرف نہیں بڑھ سکتا تو جبلہ آفرینی کی ضرورت ہوتی ہے اور بعض اخترا عی اسباب کی بنا پر ملک کے جذبات کو بھڑکا کر آمادہ جنگ کیا جاتا ہے۔ تمام قوم دھوکے سے یقین کرتی ہے کہ وہ اپنی عزت اپنے وطن اور اپنے مصالح پر اپنی جان قربان کر رہی ہے۔ حالانکہ درحقیقت میدان جنگ سلاطین کی اغراضِ شخصیہ کا شکارگاہ ہے جن کو ہمیشہ مصالح مصنوعی پر تجمع پوشی رکھتے ہیں۔

اگرچہ تمام دنیا کی لڑائیوں کے اسباب کی تفصیل نہیں کی جا سکتی تاہم وہ انھیں ظاہری و باطنی اسباب کا نتیجہ ہوتی ہیں اور میدان جنگ کا غبار ہمیشہ باطنی اسباب کو اپنے پردے میں چھپا ہوا رکھتا ہے جب تک دنیا میں عرب کی سادہ سلطنت قائم رہی اس کا دامن خدع و فریب کذب و اختلاف تدلیس و دسائس کے داغ سے پاک رہا۔ حضرت عمرو ابن العاص نے زمانہ جاہلیت میں مصر کی ثروت اور شادابی کے مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے۔ جب اسلام لائے اور ان کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سپہ سالاری کا منصب عطا فرمایا تو ان کو وہ خواب یاد آگیا جس کو انھوں نے مصر کے سبزہ زاروں میں دیکھا تھا۔ چنانچہ انھوں

نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں مصر پر چڑھائی کی درخواست کی۔ لیکن اس کے سبب کا اظہار اس ذوالوجہیں پالیسی کی زبان سے نہیں کیا جو یورپ کے دہن حرص و آز میں آکر تیغ دو دم کا کام کرتی ہے۔ بلکہ انھوں نے صاف صاف کہہ دیا۔ اگر آپ نے مصر کو فتح کر لیا تو وہ مسلمانوں کی عظیم الشان قوت کا مرکز ہو سکتا ہے۔ مسلمانوں کو اس سے بہت بڑی مدد مل سکتی ہے۔ وہ دولت و ثروت کا خزانہ ہے۔ اور خوش قسمتی سے اس وقت وہاں کے باشندے جنگ کی طاقت بھی نہیں رکھتے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت لیت و لعل کے بعد اجازت دے دی۔ لیکن جب اسی مصر پر نپولین بونا پارٹ نے حملہ کرنا چاہا تو اس برہنہ حقیقت پر جس کو عمرو بن عاص نے صاف نمایاں کر دیا تھا، تہ بر تہ پردے پڑ گئے اور فرضی و مصنوعی اسباب نے اصلی غرض کو چھپا دیا۔ جب فرانسیسی کونسل کے ممبروں نے اس کی رائے سے اختلاف کیا تھا اور حملہ کی اصلی وجہ دریافت کی تھی، تو اس نے منجملہ اور اسباب کے سب سے بڑا سبب وہی بتایا تھا۔ جو حضرت عمرو بن عاص نے حضرت عمرؓ کو بتایا تھا۔ لیکن وہ جب اسکندریہ میں داخل ہوا تو معاً زبان حقیقت طراز کا لہجہ بالکل بدل گیا اور وہاں پہنچ کر اس نے جو اعلان جنگ دیا اس میں حقیقی سبب پر یہ غلاف چڑھایا دیا گیا تھا۔

" سناجق جو اس وقت مصر کا بادشاہ ہیں۔ ایک مدت سے فرانسیسیوں

کے ساتھ نہایت ظالمانہ سلوک کر رہے ہیں اور اب ہم زیادہ ظلم گوارا نہیں کر سکتے ہیں۔ ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ ظلم کا بدلہ لیں اور عدل و امن قائم کریں۔ خود مصری اُن کے ظلم اور ستم سے عاجز آ گئے ہیں اور اب ہمارے ذریعہ سے نجات حاصل کر سکتے ہیں۔" اٹلی نے طرابلس غرب پر جو ظالمانہ حملہ کیا تھا۔ اس وقت اگرچہ اس کے پہلو میں بونا پارٹ کا بہادر دل نہ تھا، تاہم اس کے منہ میں زبان اسی کی تھی۔ اس لئے اس نے بھی اسباب جنگ کے اعلان میں اسی قسم کے خداعانہ فقروں کا اعادہ کیا تھا۔ لیکن بونا پارٹ کے حملۂ مصر کا ایک سبب اور بھی تھا جو اس کے دل میں مخفی تھا اور اس نے پارلیمنٹ کے ممبروں کو بھی اس کی خبر نہیں کی تھی۔ وہ اس کی شہرت طلبی اور ایفائے ذکرِ جمیل کا وہ جذبہ تھا جو ہر سپہ سالار کے دل میں مدت العمر نشوونما پاتا رہتا ہے! لیکن

جمہوریت کے زمانے میں سلاطین کا اقتدار بالکل اٹھ جاتا ہے اور ان کے شخصی ارادہ کی قوت کلیتاً ضعیف ہو جاتی ہے۔ اور اسلئے جنگ پر ان کے انتقامانہ اور شخصی جذبات کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ تاہم اسباب ظاہری و باطنی کا پردہ بھی قائم رہتا ہے۔ اور گو تمام متمدن دنیا کو جنگ کے ظاہری اسباب کا یقین دلا کر حملہ کے جواز کا فتویٰ لے لیا جاتا ہے لیکن تہ میں وہی فاتحانہ و غاصبانہ جذبات کام کرتے ہیں۔ جو سلاطین قدیم کے دل میں موجزن رہتے تھے۔

فرانس نے صدی گزشتہ کے اوائل میں الجزائر پر جو حملہ کیا تھا وہ اس حقیقت کو بالکل بے نقاب کر دیتا ہے۔ الجزائر کی سرسبزی و شادابی کا جوش نما منظر ایک مدت سے فرانس کے پیش نظر تھا۔ اس لئے وہ ان کو اپنا مقبوضات میں شامل کرنا چاہتا تھا۔ دسائس سیاسیہ ایک سہارا ڈھونڈ رہے تھے جس اتفاق سے اس متمدن سلطنت کو وہی حیلہ ہاتھ آگیا جو عرب کے وحشیانہ جذبات کو مشتعل کر دیتا تھا۔ ایک خاص معاملہ کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے فرانس کے قنصل نے امیر الجزائر کو کوئی سخت بات کہہ دی۔ امیر نے غصہ میں اس کے منہ پر پنکھا مار دیا۔ قنصل نے سلطنت فرانس کو اس توہین آمیز برتاؤ کی شکایت کر دی۔ اب فرانس کو حملے کا پورا موقع مل گیا اور اس پنکھے کی ہوا نے تین برس تک الجزائر میں آتش جنگ مشتعل رکھی۔ فرانس نے امتداد جنگ سے گھبرا کر آخری فیصلہ کے لئے ۱۸۳۰ء میں امیر البحر دوپریہ کی سپہ سالاری میں ۳۷۰۰۰ پیادہ اور ۲۰۰۰۰ سوار فوج کے دستے روانہ کر دئے۔ الجزائر اس فوج کا مقابلہ نہ کر سکا۔ مجبوراً صلح کر لی۔ اور عظیم الشان افریقی ملک رفتہ رفتہ فرانس کی نوآبادیوں میں شامل ہو گیا۔

آخر امیر عبدالقادر جزائری کے اندر سے حب الوطنی کی ایک طاقتور صدا اٹھی اور اس نے فرانس سے الجزائر کا تخلیہ کرانا چاہا۔ اس واقعہ سے جنگ کا ایک نیا سلسلہ جاری ہو گیا جو سات سال تک

قائم رہا۔ لیکن بالآخر فرانس نے فتح پائی اور امیر عبدالقادر کو شام کے اطراف میں جلا وطن کر دیا گیا۔

ان اسباب ظاہری و باطنی کا ایک بین نمونہ گزشتہ جنگ فرانس و جرمنی بھی ہے۔ پرنس بسمارک نے اس جنگ کو جن تناو سازشوں سے بھڑکایا تھا۔ ان کے نتائج نے اس جنگ کی تاریخ کو بالکل منقلب کر دیا۔ بظاہر سب سے پہلے جرمنی پر فرانس نے حملہ کیا تھا۔ اس لئے مورخین نے فرانس ہی کو اس جنگ کا محرک اوّل قرار دیا ہے۔ لیکن ۱۸۹۲ء میں خود پرنس بسمارک نے ایک اخبار کے نامہ نگار کے سامنے جس حقیقت کا اظہار کیا، اس سے اس جنگ کی تاریخ بالکل بدل جاتی ہے۔ بسمارک نے اس کے سامنے اعتراف کیا کہ ولیم اوّل شاہ پرسیا کے اس برقی پیغام کو جو اس نے فرانس کے متعلق بھیجا تھا۔ میں نے قصداً تحریف و تبدیل کر کے شایع کیا۔ جس کا مقصد فرانس کے قومی جذبات کو بھڑکانا تھا۔ چنانچہ بسمارک نے ایک یادداشت میں جو اس کی وفات کے بعد شایع کی گئی۔ اس واقعہ کی عجیب تفصیل درج کی ہے۔ اس یادداشت کا خلاصہ یہ ہے۔

جب پروشیا اور فرانس کے درمیان اسپین کے تخت سلطنت کے متعلق نزاع قائم ہوئی تو نپولین نے اپنے سفیر مقیم برلن کو پیغام بھیجا کہ وہ شاہ پروشیا سے بالمواجہ گفتگو کر کے معاملہ کو فرانس کی خواہش کے مطابق حل کرائے۔ ۹ جولائی ۱۸۷۰ء کو سفیر نے شاہ

پروشیا سے ملاقات کی۔ لیکن اس نے نہایت نرم لہجے میں اس کے مطالبات سے انکار کر دیا۔ جو سفیر فرانس کی تحقیر و توہین کے اثر سے بالکل خالی تھا۔ بسمارک کو اس انکار کا حال پہلے سے ہی معلوم تھا۔ لیکن وہ ایسے سخت لہجے میں اس انکار کا اظہار کرنا چاہتا تھا، جو فرانس کی آتشِ غضب کو بھڑکا کر تمام فرنچ قوم میں آگ لگا دے اور اس جنگ کا سبب بن جائے جس کا وہ مدت سے انتظار کر رہا تھا۔

اس جنگ کا انتظار پرنس بسمارک کو اس لئے تھا کہ اس وقت جرمنی کوئی متحدہ قوت نہ تھی اور ملک چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم تھا۔ ان میں باہم لڑائیاں ہو چکی تھیں اور مرکزی اتحاد کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی بسمارک نے سوچا کہ اگر اس وقت ایک بڑی خارجی جنگ شروع ہو جائے اور جرمنی پر باہر کا کوئی غنیم چڑھ آئے تو ملک میں حب الوطنی کے جذبات بھڑک اٹھیں گے اور تمام قومیں ایک جا و مجتمع ہو کر ایک مرکزی قومی طاقت حاصل کر لیں گی۔ چنانچہ اسی لئے وہ فرانس کو چھیڑنا چاہتا تھا۔ لیکن شاہِ پروشیا کے نرم جواب نے اس کو بالکل مایوس کر دیا۔ اور اب اس نے دوسرے حیلے ڈھونڈنے شروع کر دئے۔

۱۳ جولائی ۱۸۷۰ء کو اس نے مارشل وان مولٹک اور بعض دیگر ارکانِ حکومت کو کھانے پر مدعو کیا۔ وہ ان کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا کہ میز ہی پر آکر نوکر نے شاہ پروشیا کا ایک تار دیا جو فرانس کے

بادشاہ کو روانہ کیا گیا تھا۔ بسمارک نے اس کو تمام مہمانوں کے سامنے پڑھا۔ بادشاہ نے سفیر فرانس کو جس نرم لہجے میں جواب دیا تھا۔ اس نے ان لوگوں کو اس درجہ افسردہ اور مایوس کر دیا کہ سب نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ بسمارک تار کو بار بار پڑھتا رہا اور چونکہ بادشاہ نے اس کی اشاعت کی اجازت دے دی تھی۔ اس لئے اسی وقت ہاتھ میں قلم لیا اور اس میں چند ایسی باتیں بڑھا گھٹا دیں جنھوں نے اس کے مفہوم، اس کے اثر، اس کے لہجے کو بالکل بدل دیا۔ اس کے بعد مارشل مولٹک کی طرف متوجہ ہوا۔ اور فوجی طاقت و نتائج جنگ کے متعلق تفصیلی گفتگو کی۔ مارشل موصوف نے کہا:

"اگر جنگ لابدی چیز ہے، تو اب اس میں جلدی ہی کرنی چاہیئے کیونکہ بیت و لعل سے روز بروز ہمارے خطرات میں اضافہ ہوتا جاتا ہے"

بسمارک نے جب اس گفتگو کے ذریعہ ان کے دل کو ٹٹول لیا، تو پھر تلوار سے پہلے اپنے دست سیاست کے جوہر دکھائے اور اس تار کو نہایت وضاحت کے ساتھ پڑھ کر سنایا۔ جن کو سن کر ان کے چہرے فرط مسرت سے چمک اٹھے۔ اور انھوں نے کہا۔ اب اس کا لہجہ بالکل بدل گیا ہے۔ بسمارک کے ارکان کی ادنے اور بڑھا وا دیا اس نے کہا کہ یہ تار آدھی رات سے قبل ہی پیرس میں پہنچ جائے گا اور فرانسیسی جذبات پر اس کا وہی اثر ہوگا جو ایک سرخ جھنڈے

کا ہو سکتا ہے۔ ہماری کامیابی تمام تر اس پر موقوف ہے کہ فرانس
کی طرف سے جنگ کی ابتدا کی جائے تاکہ ہم یورپ کو یقین دلا
سکیں کہ ہم صرف مدافعت کے لئے اٹھے ہیں۔ مولٹکے نے مسکرا
کر آسمان کی طرف آنکھ اٹھائی اور خوشی کے لہجہ میں چیخ اٹھا:
"اگر زندہ رہا تو اپنی فوج کی سپہ سالاری کروں گا" یہ کہہ کر فرط
مسرت سے اپنے سینے پر زور سے ایک گھونسا مار کر اٹھ کھڑا ہوا۔
اس تصریح سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جنگ کا اصل سبب بسمارک
تھا۔ اور اسی کے پرفریب ہاتھوں سے پس پردہ آگ کو بھڑکایا تھا۔
لیکن دیکھو کہ ظاہری اسباب نے اصلی حقیقت کو کیوں کر چھپا دیا؟
اگر پرنس بسمارک خود تصریح نہ کرتا۔ تو دنیا اب تک اس جنگ کی
اصلی تاریخ سے واقف نہ ہوتی اور ظاہری حالات ہی کو حقیقی یقین کرتی

لیکن اس کے مقابل آپ داعی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام اور
آپ کے رفقائے کار کے کارناموں اور ان کی صداقت و حقانیت کے
بے لوث اعمال و کردار کو دیکھو کہ جو زبان سے دعویٰ کیا اسی کے
مطابق آخر تک ہر گوشہ اور ہر شعبۂ عمل میں پورے اترے اور دنیا
نے دیکھ لیا کہ دعویٰ اور عمل، قول اور فعل کی تطبیق و توفیق کا ایک
مجسمہ نمونۂ صداقت اور پیکر حق و راستی ان کے سامنے موجود ہے
یہی قول و فعل کی مخالفت اور دعویٰ و عمل کا اختلاف درحقیقت
قوموں کے مضمر ارادوں اور پوشیدہ نیتوں کی نقاب کشائی و پردہ دری کا

کام کرتا ہے۔ اور یہی قول و فعل کا تطابق اور دعویٰ عمل کی تطبیق حقیقتاً ایک راست گو کی صداقت و حق پرستی کی دلیل ہوتی ہے۔ اسی معیار پر دنیا نے حقیقت اور فریب کو علیحدہ علیحدہ پہچانا اور آخر تاریخ نے قطعی فیصلہ صادر کیا کہ کہاں فریب و خدع کا پردہ ہے اور کہاں حق و صداقت کا بے نقاب آفتاب درخشاں۔ کوئی واقعہ جب تک حال کے لباس میں ملبوس ہوتا ہے تو اس کے حلیہ و چہرہ پر مختلف قسم کے پردے ڈالے جا سکتے ہیں۔ مگر جب وہی واقعہ ماضی کے لباس میں ملبوس ہو کر حال کے لباس کو اتار پھینکتا ہے تو پھر ہر ایک پردہ خود بخود چاک چاک ہو جاتا ہے اور حقیقت بے نقاب ہو کر سامنے آ جاتی ہے کسی نے سچ کہا تھا کہ "تاریخ اپنی رفتار میں جب مستقبل کی طرف قدم اٹھاتی ہے تو اس کا ہر قدم حقیقت کے چہرے سے پردوں کو چاک کرتا جاتا ہے"

واقعی آج تاریخ نے خود حقیقت دنیا کو بے نقاب کر کے دکھا دیا ہے۔

حرب

باب اوّل

اسباب و علل

انسان فطرتاً مادہ پرست ہے۔ اس لئے مادی چیزوں کو اپنا حقیقی سرمایہ سمجھتا ہے۔ لیکن مادیات کا آب و رنگ اس کو اور بھی مسحور بنا دیتا ہے زمین کے اندر سونا۔ پہاڑ کے اندر لعل۔ سمندر کے اندر موتی انسان کا قیمتی خزانہ ہیں۔ لیکن سونا جب ڈھل کر سکہ کی صورت اختیار کر لیتا ہے لعل جب پہاڑ سے نکل کر تاج شاہی میں اپنی چمک دمک دکھاتا ہے موتی جب کسی کی حسین گردن کے ہار میں جگہ پاکر اپنے اوج قسمت پر ناز کرتا ہے۔ تو وہ چہرہ کائنات کا آب و رنگ اور عالم ادبیات کا چشم و چراغ بن جاتا ہے۔

زمانہ جنگ میں دنیا سرگرم فغاں نظر آتی ہے۔ انسانیت ماتم کبریٰ میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ ہمدردی مرثیہ خوانی کرتی پھرتی ہے۔ رحمدلی کا نوحہ دل گداز دلوں کو پانی پانی کر دیتا ہے۔ لیکن جب سوال کیا جاتا ہے کہ یہ نالہ و فغاں۔ یہ نوحہ و ماتم۔ یہ مرثیہ دلسوز و دل گداز کس متاع عزیز کی گم شدگی پر ہے؟ تو بہتے ہوئے خون کا ایک سیلاب تڑپتی ہوئی لاشوں کا ایک ڈھیر۔ کٹے ہوئے سروں کا ایک تودہ دکھایا جاتا ہے

جن کو حوادث زمانہ نے اس لئے ایک جگہ جمع کر دیا ہے کہ ٹھوکر لگانے کے لئے اسی قسم کا ناہموار نشیب و فراز موزوں ہے۔

لیکن چشم حقیقت اس پرحسرت نظارہ پر اشکبار نہیں ہو سکتی۔ وہ جذبات سے بالکل خالی ہے۔ اس لئے بڑی سنگدل اور بڑی ہی بے رحم ہے۔ وہ صرف جلد کے بیرونی چرکوں ہی پر آنسو نہیں بہاتی بلکہ اندر کا ناسور دیکھنا چاہتی ہے۔ یہ سچ ہے کہ خون کا یہ سیلاب، لاشوں کا یہ ڈھیر، سروں کا یہ تودہ نہایت بے دردی کے ساتھ ٹھکرا دیا گیا ہے۔ لیکن اصلی سوال یہ ہے کہ انسان نے اس گراں قیمت خون، اس سڈول جسم اور اس مغرور سر کو کیوں ہر شخص کے روندنے کے لئے ہلاکت کی راہ میں ڈال دیا؟

یہ ایک قیمتی سوال ہے جس کا جواب انسان کے دماغ میں نہیں بلکہ جیب میں ہے۔

زمین اپنے اندر سے سونا اگلتی ہے۔ پہاڑ لعل و الماس کا ذخیرہ باہر نکالتا ہے۔ سمندر سطح آب پر موتیوں کی دکان لگا دیتا ہے انسان اس قیمتی سرمایہ کو دیکھتا ہے اور آگے بڑھ کر اس کو اپنی جیب میں بھرنا چاہتا ہے۔ لیکن خارجی قوتیں مزاحمت کرتی ہیں اور ان میں باہم کشمکش پیدا ہو جاتی ہے۔ اب انسان کا بیش قیمت خون خود بخود جوش دکھا کر بہنا چاہتا ہے۔ جنگ چھڑ جاتی ہے۔ اور سونے کی ایک خاک آلود سل پر لاکھوں لاشیں تڑپتی ہوئی نظر آتی ہیں لعل کے ایک

بیوہ عورتوں کی آہیں ٹھہر جاتی ہیں لیکن قومیں باضمہ اپنے عمل مستمر سے
باز نہیں آتی۔ پس جنگ کے بعد دنیا در حقیقت مال و دولت کے
ماتم میں مصروف رہتی ہے اور جب بے دردوں نے اس قدر لاشوں
کو نہایت بے پروائی کے ساتھ زمین کے غاروں میں دفن کر دیا تھا۔
ہم مصارف جنگ کا نقشہ نہایت سنجیدگی سے مرتب کر کے دنیا
کے سامنے پیش کرتے ہیں کہ ہر شخص ان کے ماتم میں گذار ہیں حصہ لے
لیکن انسان کا سرمایہ صرف اس کی جیب ہی تک محدود نہیں ہے۔ اس کا
ایک بہترین حصہ دماغ میں بھی ہے۔ اگر ہم ٹوٹے ہوئے کھنڈروں پر اگر ہم
چند پامال شدہ باغوں پر، اگر ہم چند کھوئے سکوں پر ماتم کر رہے ہیں کہ
جنگ کا سیلاب عظیم ان کو بہا لے گیا تو ہم کو اس کے ساتھ اپنے پہلوں
دماغ کو بھی ٹٹولنا چاہیے کہ میدان جنگ میں چمکنے والی تلوار کہیں مردوں
کے سر کے ساتھ زندہ انسانوں کے سرمایہ ہوش و حواس کو تو اڑا نہیں
لے گئی۔ اگر بے درد فوج نے ہماری سرسبز کھیتیوں کے ساتھ ہمارے
خرمن عقل میں بھی آگ لگا دی ہے۔ تو ہم کو اپنے مال و دولت کے ماتم
سے فارغ ہو کر اپنے قوائے عقلیہ کی اس بیدردانہ غارت گری پر بھی
چند آنسو بہا لینے چاہئیں۔

لیکن یہ عقل غارت گری نہایت مخفی طور پر وقوع پذیر ہوتی ہے
خود تلواروں۔ نیزوں۔ کمانوں اور تیروں کے گولوں سے زیادہ تلواروں
کی چمک۔ نیزوں کی لچک۔ کمانوں کی چرچراہٹ۔ بندوقوں کی باڑھ۔

توپوں کی گرج، اس عقلی میدان کو فتح کرتی ہے۔

اس عقلی جنگ میں جوہر زیادہ کام نہیں کرتا۔ میدان صرف دماغ کے ہاتھ میں رہتا ہے۔

زمانۂ جنگ میں مال و دولت کی بربادی کا منظر صرف دنیا کے ایک بدقسمت حصے میں نظر آتا ہے۔ لیکن یہ عقلی لوٹ مار عام ہو جاتی ہے ہر جگہ سر ہی سر ہوتے ہیں۔ مگر سر میں کچھ نہیں ہوتا۔ مادی غارت گری کا صرف ایک ہی اثر ہوتا ہے۔ جو فکر و فاقہ کی صورت میں نظر آتا ہے۔ لیکن اس عقلی غارت گری کے سیکڑوں نتائج ہوتے ہیں جو مختلف صورتوں میں نظر آتے ہیں۔ ان میں سے بعض کی تفصیل حسب ذیل ہے:

زمانۂ جنگ میں ہزاروں غلط افواہیں اڑ جاتی ہیں۔ لیکن تمام دنیا ان پر یقین کرتی ہے۔ واقعات کے نقد کا سب سے بدیہی اصول تناقض ہے۔ لیکن زمانۂ جنگ میں سیکڑوں متناقض خبریں ایک ہی ساتھ شائع ہوتی ہیں۔ جن پر اکثر لوگ یکساں وثوق کے ساتھ یقین کر لیتے ہیں اور کم از کم ذوق و شوق کے ساتھ تو ہر انسان انھیں سنتا ہے۔ ایمڈن کے ڈوبنے اور اچھلنے کا واقعہ ایک ہی دلچسپی کے ساتھ سنا گیا تھا۔ لیئر کی تسخیر و عدم تسخیر کی حقیقت یکساں کشش کے ساتھ سامنے آئی۔ جرمنی کا اقدام و ادبار دونوں ایک ہی وقت نمایاں ہوئے۔ زمانۂ جنگ میں وہم کی اختراعی قوت نہایت ترقی کر جاتی ہے اور انسان کا دماغ ہمیشہ احتمال آفرینیوں میں مصروف رہتا ہے۔ اسی وہم پرستی کی بنا پر فوجیں اکثر جنگی غلطیاں کر بیٹھتی

(حال میں یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ بحرۂ بالٹک میں ایک فریق نے خود اپنے ہی جہازوں پر حملہ کر دیا۔ کیونکہ وہم نے اس کو غنیم کے جہاز والوں کی صورت میں دکھایا تھا۔ بعض اخبارات میں ہوائی جہازوں کے متعلق چشم دید شہادتیں شائع ہوئی ہیں جو زمانۂ جنگ کی وہم پرستیوں کو متمثل کرتی ہیں۔ کئی شخص شرعی قسم کھانے تک کو تیار ہیں کہ انھوں نے جرمنی کے ہوائی جہاز دیکھے) ایک معمولی شورش بھی یہی نتائج پیدا کر دیتی ہے لوگ حادثہ مسجد کانپور کے زمانے میں دریا کے اندر سے کلمہ شہادت کی آواز سنتے تھے اور اس پر متعدد لوگوں کی شہادتوں کی بناء پر یقین کیا جاتا تھا۔

واقعاتِ جنگ کا نمایاں اثر ہمارے روزانہ طرزِ معاشرت پر بھی پڑتا ہے۔ جب انسان دن بھر کام کرتے کرتے تھک جاتا ہے۔ تو اوروں کی صحبت میں دل بہلاتا ہے۔ انسانوں کے مختلف طبقے ہیں اور ہر طبقہ اپنے لئے موزوں صحبتِ احباب ڈھونڈھ لیتا ہے۔ زاہدانِ عبادت گزار و معتکفینِ مساجد کے پاس بیٹھتے ہیں اور دوزخ و جنت کا تذکرہ کرتے ہیں۔

اسی طرح جو لوگ علمی ذوق رکھتے ہیں، وہ کسی درس گاہ یا اکاڈیمی میں جا کر چند خشک دماغ انسانوں کے نتائجِ فکریہ سے مسرور ہوتے ہیں لیکن زمانۂ جنگ میں عبادت خانوں کی صدائیں دفعتًا رک جاتی ہیں میخانوں کے ترانے خاموش ہو جاتے ہیں۔ علمی مجالس کا حلقہ درس و علوم موقوف ہو جاتا ہے تمام دنیا ایک انجمن اور ایک ایک حلقہ احباب بن جاتی ہے جس میں

جو الزام لگایا تھا۔ اس کے لئے اسی غرض سے ایک سفر جہاد کو منتخب
لیا تھا۔ جرمنی کی طرف سیکڑوں وحشیانہ افعال کا انتساب بھی اسی مقصد
سے کیا جاتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر کتب خانہ اسکندریہ کے جلانے
کا الزام زمانہ جنگ ہی میں لگایا گیا

جنگ کے ذریعہ سے اتحاد و اتفاق، نیز اور بعض مفید اور ضروری باتیں
[illegible] پیدا ہو سکتی ہے۔ چنانچہ بعض [illegible] اتحاد کا خواب
جنگ کے ہولناک میدانوں ہی میں دیکھا تھا۔ [illegible]
نے جرمنی سے یکجہتی اختیار کرلی۔ اس سے [illegible]
[illegible] کردیا۔

روس، فرانس، برطانیہ، جرمنی، آسٹریا، [illegible] کا
باہمی تعلق موجودہ پہلے سے بھی زیادہ مستحکم اور پائیدار ہوگیا ہے۔ جو عہد
ابتدائی میں مسلمانوں کو اتحاد و اتفاق کے جس سلسلہ زریں سے باہم
مربوط کردیا، اور وہ اسی کارخانہ میں تیار ہوا تھا جہاں تلواریں ڈھالی
جاتی ہیں۔

جنگ کے ذریعہ ہر قسم کے مذہبی، ملکی اور اخلاقی انقلابات نہایت
سرعت کے ساتھ ہو سکتے ہیں۔ فرانس کی جمہوریت جنگ ہی کا نتیجہ
ہے۔ قرآن مجید کی اشاعت تعلیم کا سب سے بڑا ذریعہ جہاد فی سبیل
اللہ تھا جس نے عرب کے ادبی اور اخلاقی نظام میں دفعتاً انقلاب پیدا
کردیا۔ عمرو بن کلثوم کے مشہور اور پرجوش معلقہ کو قبیلہ بنو تغلب کا

ایک ایک بچہ انھیں جنگی کارناموں کے اثر کو ازبر یاد رکھتا ہے۔ شاہ نامہ کی مقبولیت صرف اس بنا پر ہوئی کہ اس نے گذشتہ جنگی واقعات کو دوبارہ زندہ کر دیا۔ ہومر کے ایلیڈ کی شہرت نے اسی بنا پر یونان کی حکایات کی شہرت ماند کر دی کہ وہ میدان جنگ کا ایک رنگین خاکہ تھا۔

۱۸۷۰ء کی جنگ فرانس و جرمنی نے فرانسیسیوں کی شجاعت اور عزم و استقلال کا خاتمہ کر دیا جس کا اثر آج میدانِ جنگ میں علانیہ نظر آتا ہے۔ آج جرمن سپاہیوں کی رگوں میں جو گرم خون دوڑ رہا ہے وہ صرف آج کل کی تیز و تند شراب ہی سے مخلوط نہیں بلکہ اس میں ۱۸۷۰ء کے سیلاب خون کے کھولتے ہوئے آتشیں قطرے بھی شامل ہیں۔ یہودیوں کی بد اخلاقیاں مسلسل جنگ اور مسلسل شکستوں کا نتیجہ ہیں۔ بیت المقدس میں اس قوم نے تین بار شکست کھائی۔ فرعون کے دربار میں غلام بنا کر رہی۔ عرب کے میدانوں میں بھی ایک ابھرنے والی روحانی طاقت نے ان کے پیٹ جگہ نہ چھوڑی۔ آج ان مسلسل ذلت آمیز شکستوں کا داغ ہر یہودی کے دامن اخلاق پر نظر آتا ہے!

مسلمانوں کا معیار اخلاق جس قدر جہاد نے بلند کر دیا تھا۔ حضرت عیسیٰؑ کی اخلاقی تعلیم اس کے مقابلہ میں بالکل بے اثر رہی۔ غرض ہر قسم کا انقلاب صرف جنگ ہی کے ذریعہ ہو سکتا ہے۔ فلسفہ نے آج تک نظام عالم میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی۔ لیکن جنگ نے ذرہ کو آفتاب اور رائی کو پہاڑ بنا دیا ہے۔ پہاڑوں کو زلزلہ ہی متزلزل کر سکتا ہے کیسی

قوم نے قدیم عقائد، قدیم تہذیب، قدیم طرز معاشرت کو ہنس بدلا جو
ایک مدت کے بعد مستحکم پہاڑ بن جاتے ہیں۔ ان کو لڑائی کا بھونچال
ہی اکھاڑ سکتا ہے اور کوئی نہیں۔

مساوات کی حقیقی روح صرف زمانۂ جنگ ہی میں پیدا ہو سکتی ہے
فرانس کی شورش کا سب سے بڑا نتیجہ مساوات ہے۔ مساوات
عدل و انصاف کی ایک شکل ہے اور عدل و انصاف کے ستون کو صرف
قوت ہی قائم رکھ سکتی ہے۔

زمانۂ جنگ میں ہر انسان کی مخفی طاقت دفعتاً ابھر آتی ہے۔ فوج
جس دلسوزی و بے جگری سے میدان جنگ میں لڑتی ہے۔ حالت صلح
میں اس کے تصور کی بھی متحمل نہیں ہو سکتی۔ نامہ نگارانِ اخبار جنگ کی
خبروں کی فراہمی میں جس قدر عرق ریزی کرتے ہیں صلح کی خبروں میں اس
قدر محنت نہیں کر سکتے۔ جنگ کے مضامین ایڈیٹروں کی قابلیت کا
غیر معمولی اظہار ہوتا ہے۔ قوت حافظہ کو غیر معمولی ترقی ہو جاتی ہے۔
عرب کے دواوین اشعار کو اسی غیر معمولی حافظہ نے محفوظ رکھا۔ عرب
کی حیرت انگیز قوت روایت کو اسی فوجی اثر نے ترقی دی۔ شاہنامہ
کا وہ سرمایہ جو فردوسی کو نہایت آسانی سے مل گیا تھا۔ تلوار کے اس
جوہر سے محفوظ رہا جو اس کے دماغ میں سرایت کر گیا تھا

جنگ کے زمانے میں لوگ وحشت اور بد اخلاقی کی طرف زیادہ
مائل ہوتے ہیں۔ فوج تو اسی نشے میں مست رہتی ہے لیکن خود رعایا

کبھی بھلایا کہ جان و مال، عزت و آبرو کو نہایت بیدردی سے پامال کر دیتی ہے۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں فوج سے زیادہ بدمعاشوں نے لوٹ مار اور قتل و خونریزی کی تھی۔ لیکن ایک اعلیٰ ملت ان وحشیانہ افعال سے روک سکتی ہے۔ تاکہ اخلاق کا ایک بلند معیار قائم کر سکتی ہے عہد نبوت اور عہد صحابہ میں اس کی نادر مثالیں مل سکتی ہیں۔ موجودہ زمانہ بھی اس قسم کی مثالوں سے خالی نہیں۔ فوج فاقہ سے مرتی ہے۔ لیکن مال غنیمت کا بہتر سے بہتر سرمایہ اپنے سپہ سالار کے پاؤں پر لاکر ڈال دیتی ہے اور اس میں کسی قسم کی خیانت نہیں کرتی۔ ۱۸۴۸ء کی شورش میں [illegible] نے قیصر باغ پر حملہ کیا تھا۔ اس نے وہاں کی بہترین یادگاروں کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ جنگ روس و جاپان میں جب جاپانی سپاہی کسی مقتول کی جیب سے گینی نکالتے تھے تو اس کو ہر شخص اپنے افسر سے چھپا رکھنے میں اپنی ناکامیابی خیال کرتا تھا۔

لیکن اسلامی مجاہدین کے اقوال و افعال آج دنیا کے سامنے موجود ہیں اور تاریخ نے ان کو محفوظ رکھا ہے۔ دنیا ان کو دیکھ کر خود شرمندہ ہو سکتی ہے۔

باب دوم

نتائج و عواقب

اگرچہ ہر جنگ بلکہ معمولی شورش بھی ان تمام نتائج کو لازمی طور پر پیدا کر دیتی ہے جن کی طرف گزشتہ صحبتوں میں ہم ایک سرسری اشارہ کر چکے ہیں۔ لیکن جنگ کے استعداد اور ضعف کے ساتھ ان نتائج میں بھی مد و جزر ہوتا ہے۔ یعنی جنگ کا حملہ جس قوت کے ساتھ جسم و مادہ پر ہوگا۔ اسی شدت کے ساتھ عقل و روح بھی اس سے متاثر ہوگی۔ اگر جنگ نے سر میں ایک معمولی سی ٹھوکر لگا دی تو دماغ میں بھی ایک خفیف سی جنبش پیدا ہوگی۔ تاہم جس طرح ہر جنگ ہیئت کائنات کو کچھ نہ کچھ ضرور ہی زخم کر دیتی ہے۔ اسی طرح ہمارا دماغ بھی اس حملہ سے کلیتۃً محفوظ نہیں رہ سکتا۔

اس لئے جب کہ ہم بیش قیمت خون اور خون سے زیادہ عزیز و نیاز سرخ کی بربادی پر ماتم خوانی کرنے کے لئے صف ماتم بچھاتے ہیں تو ہم کو اپنے سرمایۂ عقل و ہوش کی تباہی پر ایک حلقۂ ماتم قائم کرنا چاہیئے نتائج مجموعی طور پر ہمارے پیش نظر ہیں اور ہمارے سامنے عالم عقل و روح کی بربادی کا ایک عبرت خیز منظر پیش کرتے ہیں۔ جنگ کا زلزلہ

سے گرم ہونے کے ساتھ ہی ہماری عقل پر اس قدر راندگی ہو جاتی ہے کہ تناقض و تباین کے بدیہی امتناع کو بھی ممکن سمجھنے لگتی ہے۔

کبھی روایات و درایت کے تمام اصول اس کے لئے بے کار ہو جاتے ہیں۔ ایک شخص کو کسی جزئی فرو گزاشت پر بدنام کرتی ہے۔ تو اس کے تمام فضائل و مناقب سے آنکھ بند کر لیتی ہے۔ ایک شخص کو اس مبالغہ آمیز طریقہ سے شہرت دیتی ہے۔ کہ اس کو کبھی فرشتہ اور کبھی دیوتا بنا دیتی ہے۔ وہ میدان جنگ میں تمام نظام اخلاق کو درہم برہم کر کے وحشت و بہیمیت کی تجدید کرتی ہے۔ کہیں کہیں مفید نتائج بھی پیدا کرتی ہے تاریخ کو محفوظ رکھتی ہے۔ ادبی لٹریچر کو از سر نو پیدا کرا دیتی ہے مردہ قالبوں میں شجاعت اور بہادری کی روح پھونکتی ہے۔ لیکن یہ فضائل بھی اختیاری نہیں ہوتے۔ محض اضطراری ہوتے ہیں اور ان میں بھی کبھی جادہ اعتدال سے آگے بڑھ جاتی ہے۔

بہر حال جنگ ہمارے دماغ میں ایک طلاطم۔ ایک طوفان۔ ایک مد و جزر کا عالم پیدا کر دیتی ہے۔ اس لئے جو چیز ہم کو ٹھوکر سے بچا سکتی ہے۔ وہ خود مسلسل ٹھوکریں کھانے لگتی ہے۔ پس ہم کو زمانۂ جنگ میں صرف اپنی جیب ہی کو نہیں ٹٹولنا چاہیئے بلکہ دماغ کو بھی کہ اس میں کیا آیا اور اس سے کیا کیا گیا، زمانہ جنگ میں جان و مال کا جو نقصان ہوتا ہے وہ اس قدر بدیہی ہے کہ ہم کو اس کے علل و اسباب کی تحقیق و تفتیش کے لئے غور و فکر کی ضرورت نہیں۔ لیکن دماغ کی حالت

اس سے بالکل مختلف ہے۔ وہ اپنے تمام سرمایہ کو کھو دیتا ہے۔ مگر پھر اس کو خبر نہیں ہوتی۔ ہمارے سامنے ہمارا خزانہ عقل مٹتا ہے لیکن ہم اس تباہی کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھتے۔

لیکن عقلی نقصانات کی فہرست مرتب ہو چکی ہے اور وہ ہمارے سامنے ہے۔ اس لئے ہم کو ان اسباب کا بھی پتہ لگنا چاہیئے جو اس سرمایۂ مخصوص کو دفعتاً سمیٹ لیتے ہیں۔ اس کے لئے ہم کو چند مقامات مرتب کر لینے چاہیئیں۔ جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) عام طور پر چند اشخاص کے اجتماع پر جماعت کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ اگر ایک وسیع میدان یا ایک وسیع سڑک پر سو دو سو آدمی جمع ہو جائیں تو عام لوگ اس بھیڑ پر جماعت یا فرقے کا اطلاق کرنے لگتے ہیں۔ لیکن فلسفہ نے جماعت کی ایک نئی ترتیب قائم کی ہے۔ جماعت کے لئے اشخاص کا اجتماع ضروری نہیں ہے۔ صرف دماغ اور خیال کا رابطۂ اتحاد کافی ہے۔ اگر ایک لاکھ آدمی شانے سے شانہ ملا کر کسی پر فضا میدان میں کھڑے کر دئے جائیں۔ لیکن ان میں کسی قسم کا دماغی اشتراک نہ ہو تو ان پر جماعت کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا۔ برخلاف اس کے اگر چار آدمی مشرق و مغرب اور جنوب و شمال کے ایک ایک گوشے پر الگ الگ کھڑے ہو جائیں لیکن ان میں توافق خیال وعقائد نے رابطۂ اتحاد پیدا کر دیا ہو تو وہ ایک حقیقی جماعت ہیں۔ پس جماعت کو صرف دماغ ہی مرتب کر سکتا ہے۔ یہ کام ہاتھ پاؤں سے

بس کا نہیں ہے۔ البتہ یہ اشتراک دماغی کبھی کبھی اجسام میں بھی اتحاد و اختلاف پیدا کر دیتا ہے۔ اس لئے متحد الخیال لوگ ایک جگہ جمع بھی ہو جاتے ہیں۔ دنیا کی رنگین صحبتیں۔ دنیا کے دلچسپ جلسے۔ دنیا کی مفید کانفرنسیں اکثیں متحد الخیال لوگوں کے اجتماع کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ لیکن یہ اجتماع جماعت کی حقیقت میں داخل نہیں ہے بلکہ بالکل عارضی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جاپان کا سوشلسٹ اپنے آپ کو روس کی سوشلسٹوں کی جماعت میں داخل سمجھتا ہے۔ حالانکہ روس نے ان لوگوں کی صورت بھی نہیں دیکھی ہے تاہم اشتراک دماغ و اجتماع اجسام میں ایک قسم کا مخفی رابطہ ضرور ہے۔ چند آدمی ایک جگہ رہتے ہیں متحد المذاق ہو جاتے ہیں۔ متحد المذاق لوگ خود بخود ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں۔ لیکن ان کو دماغ ہی نے ایک کیا ہے۔

(۲) پس جماعت چند دماغوں۔ چند خیالات اور چند عقائد کے عقلی مجموعہ کا نام ہے۔ لیکن جس طرح چند مادی اجزاء کے انضمام و ترکیب سے ایک جدید حقیقت عالم وجود میں آتی ہے اور ان اجزاء کے تمام خواص و کیفیات سابقہ کا استحالہ ایک جدید کیفیت میں ہو جاتا ہے۔ آکسیجن اور ہائیڈروجن مل کر پانی کی صورت اختیار کر لیتے ہیں اور حالت انفراد میں ان کے جو خواص و اعراض تھے وہ ایک نئی کیفیت میں منتبدل ہو جاتے ہیں۔ بعینہ اسی طرح چند دماغوں کی ترکیب و انضمام سے ایک مستقل دماغ پیدا ہو جاتا ہے جس کے قوائے عقلیہ فرد کے دماغ سے

بالکل مختلف ہوتے ہیں۔ ترکیب و انضمام سے پہلے ان دماغوں میں ایک ارسطو کا دماغ تھا۔ دوسرا افلاطون کا۔ تیسرا مجنون شخص کا اور چوتھا ایک نہایت بلید الطبع آدمی کا۔ لیکن اب اشتراک و اتحاد نے ان تمام مختلف العقل دماغوں کو ایک کر دیا ہے اور اس مجموعہ میں شامل ہو کر ارسطو اور افلاطون کے مخصوص قوائے دماغی بالکل فنا ہو گئے ہیں۔ اب ہم کو اس مجموعۂ دماغ میں ارسطو و افلاطون کی اس مخصوص قوت فکریہ کی تلاش نہیں کرنی چاہیئے جس نے فلسفۂ مشائیہ و فلسفۂ اشراقیہ کی مستقل شاخوں کو قائم کیا تھا۔ ہم کو اس مجموعہ میں اس مجنون اور بلید الطبع شخص کے تمسخر انگیز خیالات کا پتہ بھی نہیں مل سکتا۔ جو کبھی کبھی ہمارے لئے ظرافت کا سامان مہیا کرتے تھے۔ اب ایک مستقل دماغ اور جدید خیالات کا سلسلہ پیدا ہو گیا ہے۔ یہی دماغ ہے جس کو جماعت کا دماغ اور یہی خیالات ہیں جن کو جماعت کا علم و عقیدہ کہا جاتا ہے۔ اگر اس دماغ نے اپنے اندر مجنونانہ کیفیات پیدا کر لی ہیں تو سمجھنا چاہیئے کہ ارسطو اور افلاطون بھی مجنون ہو گئے ہیں۔ اور اگر یہ دماغ ارسطو اور افلاطون کے قوائے عقلیہ کا مرکز ہے۔ تو یقین کر لینا چاہیئے کہ کبھی کبھی بعض مجنون اور بلید الطبع اشخاص بھی ارسطو اور افلاطون ہو جاتے ہیں۔

(۳) لیکن چند دماغوں کی ترکیب سے جو مستقل دماغ پیدا ہوتا ہے، وہ اگر کبھی کبھی ارسطو و افلاطون کے نتائج فکریہ سے بھی لبریز ہو جاتا ہے لیکن اکثر خواب پریشان ہی دیکھا کرتا ہے۔ اس کے پرزے اپنے قابو میں

نہیں رہتے۔ بلکہ اضطراری طور پر خود بخود کسی اندرونی برقی طاقت
سے چلتے رہتے ہیں اور کبھی نہیں تھکتے۔ بلکہ ہمیشہ جدید موثرات کے
لئے منتظر و آمادہ رہتے ہیں۔

مادہ جس قدر صورت کے قبول کر لینے کے لئے آمادہ ہوگا،
اسی قدر صورت کی شکل آسانی کے ساتھ عمل میں آئے گی۔ جماعت
کا دماغ بھی موثرات کے لئے منتظر و مستعد رہتا ہے۔ اس لئے وہ
ہر قسم کی غلط افواہوں اور متناقض خبروں کو قبول کر لیتا ہے اور جدت
چاہتا ہے۔ حقیقت سے اس کو غرض نہیں ہوتی۔ بھوک اچھی اور بری غذا
میں تمیز نہیں کیا کرتی۔ جماعت کا دماغ بھی جوع البقر مرض میں مبتلا رہتا
ہے اس لئے ہر قسم کی غذا کو با آسانی ہضم کر لیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قدیم
لٹریچر میں جو عجیب و غریب قصے مذکور ہیں، ان کو جماعت ہی کے
دماغ نے حسن قبول کا خلعت عطا کیا ہے۔

انسان کو صرف نتائج ہی جادۂ اعتدال پر لے جاتے ہیں۔ اگر
آپ کو بازار میں سودا خریدنا ہے تو آپ اس سڑک کو ڈھونڈیں گے، جو
بازار کی طرف بخطِ مستقیم جاتی ہو۔ لیکن اگر آپ آوارہ گردی کے لئے نکلے
ہیں تو آپ کے لئے ہر سڑک مساویانہ حیثیت رکھتی ہے۔ لیکن جماعت
نہایت مختلف الاجزاء لوگوں سے مرکب ہوتی ہے اور اس کا اتحاد و اتفاق
کا اکثر کوئی حقیقی مقصد نہیں ہوتا۔ اس لئے ان کا دماغ ہمیشہ آوارہ گردی
کرتا پھرتا ہے۔ فی کل وادٍ یہیمون آوارہ گرد لوگ ہمیشہ سرعت کیساتھ

قدم اٹھاتے ہیں۔ اس لئے جماعت کا دماغ بھی عموماً مبالغہ اور غلو واغراق کی طرف مائل رہتا ہے اور مختلف دماغوں کی ترکیب سے اس کی اغراق پسندی کی قوت میں اور اضافہ ہوجاتا ہے۔ وہ ہر چیز میں مبالغہ پیدا کرتی ہے۔ خبروں کی اشاعت نہایت مبالغہ انگیز طریقہ سے کرتی ہے۔ تواتر اس کا لازمی جزو ہوتا ہے۔ ہجو پر آمادہ ہوتی ہے تو انسان کو چارپایہ بنادیتی ہے۔ کسی کی دوستی کرتی ہے تو اس شہرت کے ساتھ کہ تمام جذبات بغض وحسد کو بھول جاتی ہے دشمن ہوتی ہے تو پھر قدیم عہد مودت اس کو یاد نہیں رہتا۔ ایسی حالت میں وہ بد اخلاق بھی ہوجاتی ہے۔ خون اس کے نزدیک پانی کے برابر ہوجاتا ہے مسجد اور بت خانے میں بالکل تفریق نہیں کرتی۔ کبھی لوٹتی ہے کبھی آگ لگاتی ہے۔ کبھی خون بہاتی ہے۔ کبھی عظیم الشان عمارتوں کو منہدم کردیتی ہے۔ ایسی حالت میں اس کی قوت جسمانی میں بھی اضافہ ہوجاتا ہے۔

کبھی کبھی اس کی یہ مبالغہ آفرینی ایک نیا قالب بدلتی ہے یعنی وہ جب واقعات میں اغراق کا کوئی جدید پہلو نہیں پیدا کرسکتی تو ان کو مسخ کردیتی ہے۔ زمانہ قدیم کی جنگجو قوموں کے خوفناک چہرے، ان کے عظیم الشان ہتھیار۔ ان کے فن جنگ کے عجیب وغریب کرتبوں کی داستانیں ہم آج تمسخر انگیز سمجھتے ہیں۔ لیکن درحقیقت وہ بالکل اصلیت سے خالی نہیں ہیں۔ البتہ جماعت کے دماغ نے انکو ہمارے سے

سامنے مسخ شدہ صورت میں پیش کیا ہے۔ اس لئے ان کے اصلی خط و خال ہماری نظروں سے چھپ گئے ہیں۔

(۴) یہ ممکن تھا کہ اسی زمانے میں یہ مصنوعی پردے ہٹا دئے جاتے اور روایات و واقعات کی اصلی صورت دیکھ لیتی۔ لیکن جماعت جس عالمگیر مرض میں مبتلا ہوتی ہے وہ متعدی ہو جاتا ہے۔ وہ ایک ہی کان سے سنتی ہے۔ ایک ہی آنکھ سے دیکھتی ہے، ایک ہی دل سے یقین کرتی ہے۔ اس لئے ایک شخص جو کچھ کہتا ہے پوری جماعت کی زبان سے کہتا ہے اور ہر شخص اس کا اسی طرح یقین کرتا ہے، جس طرح کہنے والا اس پر ایمان لایا تھا۔ واقعات سے اس کی متعدد مثالیں فراہم کی جا سکتی ہیں۔ فرانس میں ایک بار اتفاق سے دو لڑکیاں ڈوب گئیں لاشیں نکالی گئیں تو چند اشخاص نے ان کی شناخت کی، مزید توثیق کے لئے بہت سے لوگوں کی شہادت لی گئی اور ہر شخص نے ان کی تائید کی، انسپکٹر پولیس نے انہی لوگوں کی شہادت پر ان کی تجہیز و تکفین کا حکم دے دیا لیکن عین ہی دفن کے بعد معلوم ہوا کہ وہ لڑکیاں زندہ ہیں۔ ان میں اور ڈوبنے والی لڑکیوں میں صرف معمولی مشابہت تھی جس نے ایک جماعت کو دھوکے میں ڈال دیا۔ اسی طرح ایک لڑکے نے ایک دوسرے لڑکے کی لاش شناخت کی تھی اور بہت سے لوگوں نے اس کی شناخت پر یقین کر لیا تھا۔ اس واقعہ کی عام طور پر شہرت ہوئی تو ایک عورت روتی ہوئی آئی کہ وہ میرا ہی لڑکا تھا۔ لاش کے اوپر سے کپڑا اٹھا کر دیکھا گیا تو اس کی

پیشانی میں ایک زخم تھا۔ اس کو دیکھ کر عورت چلائی: بیشک یہی میرا لڑکا ہے۔ وہ مہینوں سے گم تھا۔ چند لوگ اس کو پکڑ کر لے گئے اور قتل کر ڈالا، اس عورت کے اور عزیز و اقارب بھی آئے اور انھوں نے بھی کہا کہ بیشک یہ وہی لڑکا ہے۔ جس مدرسہ میں تعلیم پاتا تھا۔ اس کے مدرس سے بھی شناخت کرائی گئی۔ اس نے بھی اس کے گلے کے تعویذ کو دیکھ بھال کر کہا کہ وہی لڑکا ہے۔ اس کے تعویذ کو میں خوب پہچانتا ہوں۔ لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ یہ تمام شہادتیں غلط تھیں۔ وہ شہر لورڈز کے کسی شخص کا لڑکا تھا جو بھی قتل بھی ہوا تھا۔ اس عورت کے لڑکے سے ذرا بھی تعلق نہیں۔

جماعت کے اس دماغی مرض کا نام سرایت خیال ہے۔ پہلے ایک دماغ دو چیزوں کی حقیقت مشابہت سے ایک غلط خیال پیدا کرتا ہے پھر تمام جماعت اندھا دھند اس کو تسلیم کر لیتی ہے۔ دریا میں کنکری پھینکئے تو ایک چھوٹا سا دائرہ پیدا ہو جاتا ہے جو رفتہ رفتہ پھیل کر تمام سطح آب کو محیط ہو جاتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح جماعت میں پہلے ایک شخص ایک خیال قائم کرتا ہے جب وہ جماعت کے دماغ کی گہرائی تک سرایت کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جماعت کی تمام بے بنیاد غلط فہمیاں بالکل واقعی اور قابل اعتنا پر توہم میں مبتلا نظر آتے ہیں۔ لیکن جماعت کمزور اور ضعیف الدماغ ہوتی ہے۔ جماعت میں شامل ہو کر ارسطو اپنے بلند پایہ دماغ کی خصوصیات کھو دیتا ہے۔

جماعت کی دماغی حالت بالکل عورتوں سے مشابہ ہوتی ہے
یہی وجہ ہے کہ وہ اس قسم کے توہمات میں مبتلا ہو جاتی ہے ۔ آج
یہ لوگ جو کلکتہ سے بھاگ رہے ہیں، وہ اسی سریان خیال کی ایک
بہتی ہوئی موج ہیں ۔ جماعت میں جو مخصوص اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں
ان کا باعث بھی سریان خیال ہی ہے ۔ ایک فرد جماعت میں شامل ہو کر
دوسرے افراد کی شرکت سے ایک جدید طاقت حاصل کر لیتا ہے
جس طرح مسمریزم کا عمل انسان کی اصلی قوت مشاہدہ کو فنا کر کے ایک
جدید مشاہدہ پیدا کر دیتا ہے جس سے عجیب و غریب افعال سرزد
ہوتے ہیں ۔ اسی طرح افراد کے باہمی تاثیر و تاثر سے ایک نئی روح پیدا
ہو جاتی ہے جس کو سریان خیال یا عدوی کہتے ہیں ۔ یہی سریان خیال
جماعت کے عقائد و خیالات اور مقاصد و اغراض کو متحد کر دیتا ہے
اور اس سے ایسے عجیب و غریب افعال صادر ہونے لگتے ہیں
جو شخصی حالتوں میں بالکل محال تھے ۔ اس کے تمام عقائد بدل جاتے
ہیں ۔ اس کا قدیم نظام اخلاق درہم برہم ہو جاتا ہے ۔ اس کے عوارض
شخصیہ سلب ہو جاتے ہیں ۔ جماعت میں شامل ہو کر بزدل بہادر
ہو جاتا ہے ۔ بخیل فیاض بن جاتا ہے ۔ ضعیف غیر معمولی قوت حاصل
کر لیتا ہے ۔ مادی اصول کی بنا پر جو چیز جس قوت سے ابھرتی ہے
اسی قوت سے دبتی بھی ہے ۔ زمانۂ جنگ میں مذہبی عقائد ،
وطنی جوش ، اخلاقی محاسن ، ادبی لٹریچر غرضیکہ ہر چیز میں

ابھار پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر کسی قوم نے ان کو دبا دیا تو وہ ہمیشہ کیلئے دب جاتے ہیں۔ اگر ابھار دیا تو ہمیشہ کے لیئے ابھر جاتے ہیں۔ جنگ میں جو انقلاب عام پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ اسی سریان خیال کا نتیجہ ہے۔

اگرچہ برقی رو اور مسمریزم کی طرح سریان خیال کی کوئی توجیہہ و تعلیل نہیں کی جا سکتی۔ تاہم وہ ایک فطرتی چیز ہے۔ اور انسان سے لیکر حیوانات تک میں موجود ہے۔ بکریوں کے ریوڑ میں ایک بھیڑیا گھستا ہے ایک بکری اس کو دیکھ کر بھاگتی ہے۔ دوسری بکریوں کو اس کی خبر نہیں ہوتی۔ مگر بھاگنے میں سب کی سب اس کی شریک ہو جاتی ہیں۔ اردو میں بھیڑ چال ایک عام محاورہ ہے۔ کسی خطرے کی حالت میں ایک گھوڑا ہنہناتا ہے۔ تمام گھوڑوں کے کان کھڑے ہو جاتے ہیں۔ انسانوں میں تقلید کا مادہ بھی اسی سریان خیال نے پیدا کیا ہے۔ سریان خیال جسم پر بھی اثر ڈالتا ہے۔ طبی تجارب سے ثابت ہو گیا ہے کہ جو ڈاکٹر پاگلوں کا علاج کرتے ہیں۔ وہ کبھی کبھی خود بھی پاگل ہو جاتے ہیں۔

سریان خیال کے لئے ایک جگہ مجتمع ہونا بھی ضروری نہیں۔ وہ ایک سیلاب ہے جو خود بخود ہم تک پہنچتا ہے ۱۸۴۸ء میں پیرس میں جو شورش انقلاب ہوئی۔ اس نے چند ہی دنوں کے اندر تمام یورپ کو گھیر لیا۔

جماعت کے تمام وحشیانہ افعال کا وہی مصدر ہے۔ انسان کو

کسی فعل سے صرف لعنت و ملامت اور روک ٹوک کا خیال باز رکھتا ہے۔ لیکن ہیجان خیال جماعت کو متحد الافکار بنا دیتا ہے۔ اس لئے محض ایک فرد کسی دوسرے فرد کو روک ٹوک نہیں سکتا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ جماعت جو کچھ چاہتی ہے کر ڈالتی ہے اور اس کو کسی قسم کی ندامت نہیں ہوتی۔ خود ہر فرد کی قوت خاصہ فنا ہو جاتی ہے۔ دوسرے افراد روک سکتے تھے۔ لیکن وہ بھی اس مرض میں مبتلا ہیں ایسی حالت میں اندھوں کو کون راستہ دکھا سکتا ہے؟

بعض ڈاکٹروں نے تجربہ سے ثابت کیا ہے کہ زمانہ جنگ میں تمام قوم بالخصوص فوج ایک طرح کے جنون میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ ممکن ہے کہ یہ ہیجان خیال کی غلط تعبیر ہو یا اس ہیجان دماغی نے حقیقی جنون پیدا کر دیا ہو۔

شائد کسی کو خیال ہو کہ یہ جماعت بہت سے مفید کام بھی کرتی ہے۔ وہ جدید مذہب کی بنیاد ڈالتی ہے۔ قدیم عقائد کو محفوظ رکھتی ہے آزادی کا سنگ بنیاد رکھتی ہے۔ عزت کا جھنڈا بلند کرتی ہے مظلوموں کی حمایت کے لئے جان تک دینے سے دریغ نہیں کرتی۔ یہ تمام کام کسی قوت مشاہدہ سے انجام نہیں پا سکتے۔ ان میں تو ایک لازوال روح حیات پائی جاتی ہے۔ لیکن درحقیقت یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ کسی عمل کا مفید ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہو سکتا کہ وہ کسی بیدار دماغ کی قوت فکریہ کا نتیجہ ہے۔

دنیا کا نظام تو قوائے غیر مشاہدہ ہی کے اشاروں پر چل رہا ہے
آفتاب کی حرارت، ماہتاب کی روشنی، دریا کی روانی، ہوا کے
جھونکے دنیا کے لئے کس قدر مفید ہیں؟ لیکن کیا یہ ذی شعور ہستیاں
ہیں؟ خون مادۂ حیات ہے لیکن وہ ہماری رگوں میں اندھا دھند
دوڑتا پھرتا ہے۔ عمل ہضم پر مدار زندگی ہے۔ لیکن قوت ہاضمہ
میں خود حس و ادراک نہیں ہے۔

سب سے بڑھکر یہ کہ قوی دماغوں پر مسمریزم کے عمل کا بہت
اثر ہوتا ہے۔ جماعت خود تو ضعیف الدماغ ہوتی ہے اور اس لئے
سریان خیال کی رو کی لپیٹ میں آجاتی ہے۔ لیکن اس کا لیڈر ایک
بیدار و دماغ آدمی ہوتا ہے۔ اس لئے وہ اپنی حس و ادراک کو محفوظ
رکھتا ہے۔ جماعت سے یہ تمام مفید کام وہی لیتا ہے۔

جماعت صرف کام کرنا جانتی ہے۔ اس کو نفع و نقصان سے بحث
نہیں ہوتی۔ عظیم الشان عمارتوں کو مزدور بناتے ہیں لیکن عمارت کا
نقشہ دوسرے دماغ کا نتیجہ ہوتا ہے۔ مزدور اس کے حسن و
قبح سے ناواقف ہوتے ہیں۔

بہرحال جماعت دماغ رکھتی ہے مگر وہ عقل و شعور سے خالی
ہوتا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ جماعت میں داخل ہوکر افراد کی حالت میں
ایسا عجیب و غریب انقلاب کیوں پیدا ہوجاتا ہے؟ بظاہر یہ ایک نہایت
تعجب انگیز بات ہے کہ ارسطو کبھی کبھی مجنون بھی ہوجاتا ہے۔ اور

ایک پلید الطبع شخص افلاطون کی خصوصیات ذہنیہ سے متصف ہو سکتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ کی متانت سنجیدگی اور علم و وقار ضرب المثل ہے لیکن صلح حدیبیہ میں ان کی زبان سے بعض سخت کلمات بھی نکل جاتے ہیں۔

کیا یہ دنیا کا کوئی مستثنیٰ واقعہ ہے؟ کیا یہ کسی مادی اصول کے تحت میں داخل نہیں ہو سکتا؟ دنیا جن موثرات خارجیہ سے لبریز ہے اور وہ دنیا پر جس طرح جابرانہ حکومت کر رہی ہیں، ان کے پیش نظر رکھ لینے کے بعد یہ انقلاب بھی نظام مادی کے تحت میں آ سکتا ہے۔ وہ کتنا ہی عجیب و غریب ہو، لیکن کوئی معجزہ نہیں ہے جس کی تعلیل و توجیہہ نہ کی جا سکے۔

باب سوم

رسُوم و علائم

مشہور جان رائیٹ کا قول ہے:

"جنگ میں بجز اس کے اور کوئی فائدہ نہیں کہ وہ لوگوں کو فنِ جغرافیہ کی تعلیم دیتی ہے۔"

اس خیال میں اور بون ہارڈی اور پروشیا کے جنگی مذہب کے اس اصول میں کہ جنگ ایک روحانی مسہل ہے جس کے بعد قوم صاف اور قوی ہو جاتی ہے۔ ہمارے لئے انتخاب کی وسیع گنجائش ہے۔ جنگ، فنِ جغرافیہ کی تعلیم دیتی ہے۔ اس کے متعلق تو کچھ پوچھنا ہی عبث ہے۔ اسکول کے ایک بد شوق لڑکے کو بھی آج نقشوں اور جغرافیائی حالات سے پوری دلچسپی ہے۔ اس وقت ان کیلئے براعظم یورپ کوئی وسیع خیالی شئے نہیں۔ بلکہ اس طرح ایک حقیقی شئے جس طرح کہ اس کے پڑوس کا فٹ بال کا میدان۔ نقشے اب نقشے نہیں رہتے۔ وہ جنگل۔ دریا۔ میدان۔ شہر اور گاؤں ہو گئے ہیں جہاں سے فوجوں کے کوچ۔ توپوں کی گرج۔ تلواروں کی جھنکار اور سواروں کے

ہنگامے کی آواز آتی ہے۔ اب میں لندن میں نہیں رہتا ہوں بلکہ "داجلیس"
اور "اکرنبیوں" میں ہوں۔ میں دریائے "ریمی یونہ" کے پیچ و خم کو جس قدر
جانتا ہوں۔ اس قدر دریائے ٹیمز کو کبھی نہیں جانتا۔ حالانکہ میں نے طفلی
کی پہلی آنکھ اسی پر کھولی تھی۔

مجھے معلوم ہوتا ہے کہ میں آنکھ بند کئے ہوئے ان کے وسیع خطوں کے
برابر برابر چلا جا سکتا ہوں۔ میرے پہلو میں اب آبادی کی جگہ مسرت اور
زندگی کے کاروبار کی جگہ وحشت و ہلاکت کا سناٹا ہے اور سامنے چند
ہفتوں کے ہنگامے سے پیدا ہونے والے وہ نتائج جن کو صدیوں تک
دنیا پر حکومت بخشی گئی ہے۔

ہمارے دامن خیال کو صرف وہی رقبے پکڑ سکتے ہیں
جہاں جہاں جنگ برپا ہے اب تو تمام یورپ کے نقشے میں ایک مستغرق
دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس وقت یہ براعظم (یورپ) ایک معدنی
ٹکڑے کی طرح آگ پر پگھل رہا ہے۔ جو آئندہ نقشہ اس جنگ کے نتائج
کو اپنے اندر قلم بند کرے گا۔ اس کے متعلق ہم اس وقت صرف
قیاس ہی کر سکتے ہیں۔

یہ مسئلہ اس لئے پیچیدہ ہے کہ ممکن ہے نتیجہ ذوجہتین ہو۔ یعنی
دونوں پہلو رکھتا ہو۔ فتح و شکست ایک ساتھ ظہور کرے اور ہر فریق
فتح یاب بھی ہو اور شکست خوردہ بھی۔ اس کا ایک ہاتھ جوش مسرت
سے اور دوسرا تاسف سے لرز اٹھے۔

حلیفوں (دول متحدہ فرانس۔ روس و انگلستان وغیرہ) کے مقابلہ میں جرمنی کو خشکی میں فتح ہو سکتی ہے۔ مگر تری میں شکست قرین قیاس ہے فرض کرو کہ ایسا ہوا تو اس کا کیا نتیجہ کیا ہوگا؟ جہاں تک فرانس کا تعلق ہے پیرس تقریباً اس کے لئے سخت مہلک ثابت ہوگا۔ پرنس بسمارک کا قول ہے کہ میں فرانس کے بڑے سے بڑے پیرس میں لڑوں گا۔ اس سے اس کا مقصد یہ تھا کہ اگر وہ ایک دفعہ خشکی میں فرانس کا مالک ہو جائے تو پھر فرانسیسی بیڑا کس شمار میں رہے گا؟ فرانس کے متعلق یہ قول اب تک بالکل صحیح ہے۔ لیکن انگلستان کے متعلق نہیں۔ جب تک ہمارا سمندر پر قبضہ ہے اس وقت تک براعظم (یورپ) میں کوئی طاقت ہمیں گھٹنوں کے بل جھکا سکتی۔ لیکن اگر ہم کو خشکی پر شکست ملی تو اس کا خمیازہ ہمیں تنہا نہیں بھگتنا پڑے گا۔ اس لپیٹ میں بلجیم اور فرانس بھی آجائیں گے۔ (میں اس باب میں روس کو ابھی نظر انداز کر دیتا ہوں)

کیا سمندر میں ہماری فتح سے جرمنی کی ساحلی کامیابی میں توازن پیدا ہو جائے گا؟ کیا ہمارے بیڑے کا خطرہ جرمنی کیلئے اتنا ہی کچل ڈالنے والا ہوگا، جس طرح کہ جرمن فوجوں کا خطرہ فرانس کے لئے ہے؟ بالفرض ایسا ہوا تو ہماری پوزیشن اس وقت غیر معمولی طور پر مشکل ہو جائے گی۔ ممکن ہے کہ ہماری فوجیں صحیح و سالم اور غیر مجروح ہوں۔ مگر ہمارا حلیف (فرانس) تو اتنا پیسے گا کہ اس کا کام ہی تمام ہو جائے گا۔ ہم جرمنی کو

جس قدر سمندر میں پائیں گے۔ اسی قدر وہ سواحل کی طرف فرانس پر اپنے سکنجے کا پیچ کسے گی۔ اس صورت میں اگر ہم اپنے حلیف کو یکسر تباہی سے بچا سکیں گے تو صرف اس قدر کہ سمندر میں اپنی فوقیت اور برتری سے دست بردار ہو جائیں۔

کیا یہ قرین قیاس ہے؟ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ ہم فرانس کو بچانے کے لئے اپنے تیئں ایسی شرائط کے حوالہ کر دیں جو ہمیشہ کے لئے ہمیں جرمنی کا محکوم بنا دیں۔ یا صورت حال کی یہ ایک خطرناک شق ہے۔ اس انتخاب کی جان کنی سے بچنے کے لئے خشکی پر فتح ضروری ہے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو آئندہ نقشۂ یورپ برلن میں بنے گا۔ جرمنی۔ انٹورپ (بلجیم) سے لے کر قسطنطنیہ تک کو اپنا مرکب بنالے گی۔ اور جو اسکینڈے نیویا، ایبرین اور اٹالین جزیرہ نما کے سرحد پر واقع ہیں۔ وہ اس خداوند جنگ (وار لارڈ) کے جاگیردار ہوں گے۔ تب قیصر تمام یورپ کا مالک ہوگا۔ مگر ہائے اٹلی! اس وقت تیرا کیا حشر ہوگا؟

لیکن اگر جرمنی کو شکست ہوئی تو اس وقت یورپ کا کیا ہوگا؟ ایک بات یقینی ہے۔ "السیس" اور "لورین" فرانس کو واپس مل جائیں گے۔ اور اسٹراس برگ کی شکل بیلیں مڑی کو نکوڑ میں ایک مردہ کی طرح ماتمی لباس میں نہ ہوگی بلکہ دلہن کی طرح پھولوں سے لدی ہوئی!

کہتے ہیں کہ ۱۸۷۱ء میں جرمنی نے جو مہلک غلطی کی تھی۔ وہ

السیس لورین کا الحاق تھا۔ یہ بسمارک کی غلطی نہ تھی بلکہ جرمنی کے حامیانِ
جنگ کی۔ اس لئے آئندہ جب فیصلے کا وقت آئے تو گھر کے اندر
ان حامیانِ جنگ کو گھسنے نہ دینا چاہیئے۔ ہمیں وہ وقت دیکھنے
دو جب جرمن کے پاس السیس لورین نہ رہے جس سے انتقام
کے جذبے [illegible] سکتے ہیں [illegible] انتقامیت یعنی
[illegible] (ولیم دوئم اور اس کے حامی) کے مقابلہ ہوا ہے ہمیں جرمنی کو تباہ کرنے
کا ارادہ نہ کرنا چاہیئے کہ بہرحال جرمنی کو اپنے داخلی امور کے تصفیہ کے
لئے کیا چھوڑ دیں۔ (بشرطیکہ وہ چھوڑ دے۔ (الہلال)

جرمنی کی شکست کی صورت میں ہم خوب پاس کر سکتے ہیں کہ آئندہ
کیا ہوگا؟ جرمن عمارت کہ ہمارا کہ خون اور لوہے کے زور سے تیار کی
گئی ہے مسمار ہو جائے گی۔ جیسا کہ ہمیشہ خون اور لوہے کی بنائی ہوئی چیز
کا حشر ہوا ہے"

"منچسٹر گارڈین" ہوہنزولرن کے ردی انبار میں مل جائے گا [illegible]
اور باقی غیر جرمن ریاستیں پروشیا کی مبغوض حکومت کو پھینک
دیں گی۔ وہ جرمن شاہنشاہی میں بجبر داخل کی گئی تھیں۔ اور جو لوگ اس
ملک کے وہاں کے زندہ دل اور مہربان باشندوں کو جانتے ہیں انھیں اس
میں ذرا بھی شک نہ ہوگا کہ یہ ریاستیں بغیر کسی افسوس کے اس شاہنشاہی
سے علیحدہ ہو جائیں گی۔ قرین قیاس یہ ہے کہ یہ ملک جنوبی جرمن اتحاد کا
مرکز ہو جائے گا کیونکہ ریاست ہائے بیویریا، ولمس برگ وغیرہ کے

باشندوں میں ویسی ہی آزادانہ اور فیاضی روح ہے جیسی کہ خود [illegible]
ہے خود پرشیا بھی حامیان جنگ کے مظالم سے تنگ آ چکا ہے [illegible]
پرشیا کے متعلق یاد رکھنا چاہیئے کہ ہم پرشیا کے لوگوں سے نہیں لڑ رہے
ہیں بلکہ اس کے نظام سے لڑ رہے ہیں۔

اس کا نام اس کی جمہوریت کے لئے بھی اسی قدر خطرناک ہے
جس قدر ہمارے لئے۔ اگر ان میں فرانسیسیوں کی سی خوفناک انقلابی
روح ہوتی، تو کب کے وہ اس ملعون شے (نظام جنگ جو) کو صاف
کر چکے ہوتے [illegible] کے باوجود ان میں آزادی کے لئے
عظیم الشان جذبہ کی کمی ہے۔ ان کے اشتراکیین و سوشلسٹ فوج
در فوج انتخاب کے وقت ووٹ دینے میں (جو ان کا ایک مقام [illegible]
ڈالی جاتی ہے) پیچھے مگر کچھ نہ کر سکے۔ اس کا نظام ان اشتراکیوں کا
گلا دبائے ہوئے ہے اور آج خوفناک سختی کے ساتھ اس کی مدافعت
میں وہ کام آ رہے ہیں جس سے وہ بھاگتے تھے۔ حالانکہ ان کو جاننا
چاہیئے کہ فتح اس ظلم کو اور زیادہ کر دے گی اور شکست ہی اس سے
نجات پانے کا تنہا راستہ ہے۔

اس جنگ کی عجیب و غریب [illegible] ایک [illegible] یہ واقعہ
ظاہر کرتا ہے کہ یہ جنگ قوموں کی جنگ نہیں ہے بلکہ ان کے [illegible]
[illegible] اصولوں کی لڑائی ہے۔ پرشیا کی طرح ہمارے یہاں فوجی اور بحری
بیڑے کے حامی موجود ہیں۔ [illegible] خیال رکھنا چاہیئے [illegible]

جب ہم اس بیڑے کی حمایت کو جرمنی میں مٹاتے ہیں تو کہیں ہم خود انگلستان میں اس پرنس کے سوار نہ ہو بیٹھیں۔ کیونکہ ہم کو یاد رکھنا چاہیئے کہ اس کشاکش کے پیچھے اصلی حقیقت محض نقشہ نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ کوئی اور گہری شے۔

اصلی حقیقت آزادانہ ملکی سرحدیں اور قومی حقوق ہیں۔ یہ اصلی حقیقت دراصل ایک سوال ہے کیا استبداد کی بنیاد اکثریت اور محض سیاسی طاقت پر ہے اور جس کی بنیاد پر اسلحہ کی محض نمائش کرتی ہو، اس کو آزاد ہونا چاہیئے یا اس جمہوریت کو جو ہر طرح سے آزاد ہو؟"

ہم جانتے ہیں کہ آج یورپ میں مطلقیت اور جمہوریت، استبداد اور بارود کے ساتھ عسکریت اور حریت ایک نہیں رہ سکتی۔ پہلی چیز کو یا دوسری کو ختم ہونا ہے۔ دونوں میں سے کسی ایک کو ختم ہونا چاہیئے۔ یہ فیصلہ کرنا جنگ اور اس کے بعد کے فیصلے کا کام ہے کہ کون سی چیز غالب ہو۔ اگر ڈیسپوٹ گروہ نے فیصلہ کیا تو قدیم طریقہ زندہ ہو جائے گا اور حریت ہلاک ہو جائے گی۔ فیصلہ قوم کی رائے سے ہونا چاہیئے۔ ورنہ پھر اس سے کوئی امید نہیں رکھی جا سکتی۔

آئیے پھر نقشۂ یورپ پر ایک نظر ڈالیں۔ اب آسٹریا کی شاہنشاہی (آسٹریا ہنگری) کا خیال فضول ہے۔ اب یہ خیالی صورت رخصت ہو جائے گی۔ ایک بڑے ڈیموکریٹ کا قول ہے کہ [illegible]

موجود ہی نہیں ہے۔ وہ ایک مصنوعی شے ہے جو ایجاد کی گئی ہے اس کا جواب ایک دوسرے ڈپلومیٹسٹ کے الفاظ میں دیا جا سکتا ہے "میں ایسی ضرورت کا قائل نہیں ہوں"

یورپ کے نقشے میں آسٹریا ہنگری سب سے زیادہ مصنوعی مخلوق ہے۔ نہ اس میں زبان کا اتحاد ہے نہ قومیت کا، نہ تہذیب کا نہ اعتقاد کا اور نہ ہی سطح نظر ایک ہے۔ یہ ایک ایسی عمارت ہے، جو اس لئے بیٹھ جائے گی کہ اس کی کوئی مستقل بنیاد نہیں ہے۔ آسٹریا جرمن اتحاد کا ایک رکن بن سکتی ہے۔ ہنگری خود مختار رہ سکتی ہے۔ جنوب کے سلافی سرویا کے عظمیٰ میں شامل ہو سکتے ہیں۔ سرویا مانٹی نگروں کے ساتھ مل کر اپنی اس نسلی اور ملکی ہم جنسی کو پھر حاصل کر سکتی ہے جو اس نے چھ برس ہوئے ترکوں کے ہاتھوں میدان کسود (قصوہ) میں کھوئی تھی۔ اطالیہ واقعی جنوبی "ٹرائل" سے لے کر "ٹریسٹ" تک لینا چاہتی ہے۔ اس طرح ایک نسل کے اوراقِ پریشان کی پھر شیرازہ بندی ہو جائے گی۔ مگر پولش آسٹریا "(پولینڈ کا وہ حصہ جو آسٹریا میں شامل ہے) باقی رہ گئی ہے۔ جو اس حساب میں سب سے زیادہ ناقابل عمل عدد ہے۔ ہم روس کے ساتھ مل کر لڑ رہے ہیں اور روسی اسلحہ کی فتح یابی کے لئے اسی جوش و خروش سے دعا کرتے ہیں جس طرح کہ خود اپنے لئے۔ مگر اس ہنگامی رفاقت کی وجہ سے ہمیں واقعات کے حق میں اندھا نہ ہو جانا چاہیئے۔ روس کی اس وقت

جو حالت کہ اب اس حالت میں روس قائم ہے بربریت و وحشت کا ایک
نہایت ہی خوفناک منظر ہے۔ اور اس کی وجہ سے تمدن ایک قابل رحم
حالت گرفتہ سے عالم میں ہے۔ تو اگر جرمنی کو ہم آئندہ بھی ایسے
اسی قدر روس کو بڑھنا چھوڑ دیں گے اور روس کو بڑھنے دیا تو ایک اژدھا نظر
تقریباً دینا ہے۔ جو اپنی ایڑی کے نیچے تمام مظلومان روس۔ پولینڈ
فن لینڈ۔ بالٹک ترکستان۔ ایران اور یہودیوں کو دبائے ہوئے ہے۔
روس کے خوف سے نکلے ہوئے ہمیں ابھی صرف نصف صدی کا
ہی عرصہ ہوا ہے۔ اس امر کے تسلیم کرنے کی کیا وجہ ہے کہ جب جرمنی
نہ ہوگی تو پھر خوف عظیم دوبارہ زندہ نہ ہوگا۔ ہندوستان جہاں پہلے
تھا۔ ابھی تک اسی جگہ ہے اور روس اس سے پہلے کی نسبت اور
قریب ہے۔ جرمنی کی طرح روس کے متعلق بھی یہی بات کہی جا سکتی ہے کہ
ہم روسی قوم سے نہیں ڈرتے بلکہ روسی نظام سے ڈرتے ہیں۔

"من از عقرب نمی ترسم و لے از نیش می ترسم"

کیا ہم کو امید ہے کہ یہ خطرہ دور ہو جائے گا! ایک ہفتہ قبل
تک تو ذرا بھی امید نہ تھی۔ مگر اس اثنا میں زار روس نے روسی پولینڈ
سے اندرونی خود مختاری دینے کا وعدہ کر لیا ہے۔ بلا شبہ یہ ایک
نہایت ہی اہم واقعہ ہے۔ لیکن درحقیقت کسی فیاضی سے نہیں بلکہ
محض ضرورت کے مجبور کن استیلاء سے وقوع میں آیا ہے۔ پولینڈ میں
انقلاب کے برپا ہو جانے کے خطرہ کے ساتھ روس میدان جنگ میں کیسے

جا سکتا تھا؟ جب ہم کو اس مقصد میں مناقشہ کی ضرورت نہیں۔ اگر اس وعدہ
کا ایفا ایمانداری سے کیا جائے تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ پولینڈ جس
کو فریڈرک نے پروشیا، روس اور آسٹریا میں تقسیم کیا تھا، اب پھر
متحد ہو جائے گا اور تاریخ کا ایک عظیم الشان گناہ ڈیڑھ صدی کی ظالمانہ
غلط کاری کے بعد مٹا دیا جائے گا۔ آسٹریا ہنگری کی منتشر کی شہنشاہی
یورپ کے نقشے سے ناپید ہو جائے گی، اور اس کے بجائے کئی ... نی
تہذیب اور اعتقاد کے اتحاد کے ... ساتھ وسط یورپ
میں چھڑا ہو جائے گی۔

ہم نے کہا ہے کہ اگر یہ روسی شاہی وعدہ ایمانداری کے ساتھ
پورا ہو گیا۔ حالانکہ ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس وقت سے پہلے بھی
یہی وعدہ ایسے ہی حالات میں کیا جا چکا ہے جو موجودہ حالات سے بالکل
غیر مشابہ نہ تھے۔

اس کے ساتھ ساتھ ہم کو زار روس کے کردار کو بھی یاد
رکھنا چاہیے جو عمدہ جذبات سے اپنی فطرت کے ساتھ اثر قبول کرنے
میں بالکل عاجز ہے جب تک استبداد باقی ہے۔ اس وقت تک ہم
اس وعدہ کو مضبوط نہیں سمجھ سکتے۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ اس کے
حلیفوں کا لفظ و اثر کچھ کام آ جائے۔

اگر پولینڈ زار روس کی سیادت میں آزاد ہو گیا تو کیا ہم یہ امید
رکھ سکتے ہیں کہ زار ایک قدم اور آگے بڑھے گا؟ فن لینڈ حیرت انگیز

فون لینڈ اپنے شاندار باشندوں اور تعجب انگیز تہذیب کے ساتھ زار کے دارالسلطنت کے پھاٹک پر خونچکاں پڑا ہے۔ اس کی آزادی رخصت ہو چکی ہے۔ اس کے رحم قید خانہ میں ہیں۔ اس کی امیدیں جاں کنی میں تڑپ رہی ہیں۔ ہاں، اس بدبخت فون لینڈ کو بھی داخلی خود مختاری ملنی چاہیئے اور اسی وقت ملنی چاہیئے۔ (اس دروازے کے کھلنے کے منتظر اور بھی ہیں) یہ زار کے لئے بہت بڑا موقع ہے۔ جب وہ بچہ تھا تو انگریزی خیالات کے اثر سے ایک بار چیخ اٹھا تھا "آہا! عوام کا بادشاہ ہونا!"

وہ افسوسناک طور پر ناکام ہوا۔ مگر اس کی ناکامی استبداد کی وجہ سے نہیں، بلکہ قوتِ ارادی کے فقدان کی وجہ سے ہوئی۔ ورنہ اس کے لئے مواقع بہت تھے۔ اور اس وقت بھی ایک زریں موقع اسے حاصل ہے۔

اگر ہم یہ فرض کریں کہ جرمنی کو شکست ہو گئی، تو روس دنیا کے ان تین شہنشاہوں میں سے ایک ہوگا جو اس عالمگیر کشاکش کے بعد رہیں گے۔ ان میں وہ آخریں مطلق العنان و مستبد بادشاہ ہوگا۔ یہ پالیسی کی سب سے بڑی ضرب اور سب سے بڑا انصاف ہوگا۔ جو آج تک کبھی نہیں ہوا۔ اس نازک حالت میں یہ سلطنت کے لئے ضعف کا نہیں بلکہ قوت کا سرچشمہ ثابت ہوگا اور روس کو معلوم ہو جائے گا کہ آزاد شہنشاہی سلطنت کا سب سے بڑا طلسم ہے۔

مگر یہ (یعنی فن لینڈ کی خود مختاری) اس سے کبھی بڑھ کے کام کرے گی۔ اس کا اثر ناروے اور سویڈن پر پڑے گا جس قدر ہم جرمنی سے خوف کھاتے ہیں۔ اس سے کہیں زیادہ یہ سلطنتیں روس سے ڈرتی ہیں۔ سویڈن ناطرفدار رہے اور رہے گا۔ اس نے ان روسیوں کے ساتھ تعجب انگیز فیاضی کا سلوک کیا ہے جو اسٹاک ہالم (سویڈن) کی راہ سے بھاگ کے روس گئے ہیں۔ اور اس حسن سلوک کے معاوضہ میں زار نے اس کا احسان مندانہ شکریہ ادا کیا ہے اگر روس نے فن لینڈ کو آزاد کر دیا تو سویڈن کے تمام خوف غائب ہو جائیں گے اور روس یورپ کی خیر اندیشی کے ساتھ اپنے کام کی طرف بڑھ سکے گا۔

اگر وہ دانشمند ہے تو قیصر کی ناکامی سے عبرت حاصل کرے گا اور فرصت کے آخری لمحوں کو ضائع کر دینے کی جگہ تمدن سے اپنا معاملہ صاف کر لینے میں صرف کرے گا۔

آخر میں جزیرہ نمائے بلقان ہے۔ روسی اثر وہاں غالب ہوگا لیکن جنگ کے نتیجہ ثانی کی حیثیت سے ہم بجا طور پر یہ خیال کر سکتے ہیں کہ وہاں بہ نسبت سابق روح پھیلے گی۔ سرویا۔ آسٹریا ہنگری کی شاہنشاہی کی غنیمت اور دریا کی طرف راستہ حاصل کرے۔ مقدونیہ میں بلگیریا کے لئے منصف مزاج بن جائے گی اور قدیم بلقانی اتحاد مع رومانیہ کی شرکت کے لئے اب کی مرتبہ سابق سے زیادہ مبارک سرپرستی میں قائم ہوگا۔

ہاتھ میں ہونی چاہیئے۔ اور طاقت تمام دول کے قائم مقاموں کی ایک منظم جماعت کے ہاتھ میں۔ ایک قوم کا حملہ دوسری قوم پر تمام قوم کا جرم سمجھا جا سکے اور سب مل کر اسے سزا دیں۔

اس وقت ہمارے فرزند اس خوفناک وقت کو احسان مندی کے ساتھ یاد رکھیں گے۔ اور ان کو ہمارے اس عالم قتل و غارت میں اپنے بہتر دن کی صبح نظر آئے گی"۔

یہ طویل اقتباس اس مقصد کو واضح کرنے کے لئے دیا ہے کہ غیر مسلم جنگ بازوں کے ظاہری و باطنی ارادوں و نظریات کی تفصیل سامنے آجائے۔ اس کے مقابلہ میں اسلام کے نام لیواؤں کے نزدیک جنگ کا مقصود برائی کا قلع قمع اور نیکی کی ترویج ہوتا ہے اور ان کے ظاہر و باطن میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔

باب چہارم

علائق و روابط

اسلامی غزوات اور جدید دورِ تمدن کی لڑائیوں میں روحانی اور دنیوی مقاصد نے جو حدِ فاصل قائم کر دی ہے۔ اس کو دورِ جدید کے مصارفِ جنگ اور بھی زیادہ نمایاں کر دیتے ہیں۔ ہم نے کتب حدیث و سیر میں بارہا پڑھا ہے کہ ایک مقدس وجود اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے اٹھا ہے۔ اور اس مقصدِ جلیل کی تکمیل میں اس کی ایثار نفسی نے صرف ایک لقمۂ خشک پر قناعت کی ہے۔ ہم کو اس مقدس گروہ کا حال بھی معلوم ہے۔ جس کو اس پاک مقصد کی اشاعت کے لیے راستے میں درخت کی پتیاں چبانی پڑیں۔ اور اس نے خوان ہائے نعمت سے سیر شکم ہو کر اور زرہ و جوشن سے آہنی جسم بن کر لڑنے والوں کو صدائے تکبیر کی ایک گرج میں بے دم کر دیا۔ کَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ایسے ہی فاقہ مستوں کا وصف حال تھا۔ لیکن موجودہ لڑائیاں دنیا کے لیے ایک ایسی لعنت ہیں جو جان و مال دونوں کا خاتمہ کر دیتی ہیں۔ اعلانِ جنگ ہونے کے ساتھ

ہی یورپ کا اعلیٰ ترین علم الاقتصاد صاف جواب دے دیتا ہے کہ وہ امن و صلح کے زمانے کا ایک حساب تھا جس کو اب بالکل بھلا دینا چاہیئے

خوش قسمتی سے یہ دولت جو زمانۂ جنگ میں نہایت بیدردی کے ساتھ صرف کی جاتی ہے - وہ خون کی طرح بالکل بہہ نہیں جاتی بلکہ صفحۂ قرطاس پر نقش و نگار کی صورت میں اپنی یادگار بھی چھوڑ جاتی ہے اور انہی نقش و خطوں سے ہم اس زمانے کے مصارف جنگ کا ہولناک نقشہ مرتب کر سکتے ہیں - دوران جنگ میں ملک کی اقتصادی حالت کو مختلف غیر منضبط طریقوں سے جو نقصان عظیم پہنچتا ہے اس کے اندازہ کرنے کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے - لیکن لڑائیوں کے مصارف عظیمہ اور نتائج مخزنہ دائیمہ کا مکمل نقشہ پیش کیا جا سکتا ہے -

یورپ میں جنگ کریمیا کے زمانے سے آج تک جو لڑائیاں ہوئیں ان کے دوران میں جان و مال کا جو نقصان ہوا، اس کی تفصیل یہ ہے :

نام جنگ	سنہ ع	نقصان جان	نقصان مال
جنگ کریمیا	۱۸۵۴	۷۸۰۰۰۰	۳۴۰ ملین گنی
جنگ آزادی غلامان امریکہ	۱۸۶۱-۱۸۶۷	۸۰۰۰۰۰	۱۴۰۰ " "
جنگ فرانس و جرمنی	۱۸۷۰-۱۸۷۱	۸۵۳۰۰۰	۵۶۰ " "

سے اس کے مصارف جنگ کا ایک تخمینہ لگالیا ہے۔ علم الاقتصاد
کے ایک مشہور جرمن عالم کا خیال تھا کہ جب حکومت جرمنی دوسری
سلطنتوں کے ساتھ دست و گریباں ہوگی تو اس کو جنگ سے
پہلے ۶ ہفتوں میں فوج اور جنگی جہازوں کے مصارف کے لئے ۴۰ ملین
گنی کی ضرورت پڑے گی۔ اس کے علاوہ رسد وغیرہ کے مصارف
۵۰ ملین گنی سے کم نہ ہوں گے۔ جو صدمات اور بے اطمینانی کی وجہ سے عام
تجارت اور ملکی بازاروں کا جو نقصان ہوگا اس کی بابت سمجھنا چاہئے
ساڑھے بارہ ملین گنی کا نقصان برداشت کرنا ہوگا۔

چنانچہ آج وہ منتظرہ جنگ شروع ہوگئی ہے اور جرمنی کے چھ
مہینے گذر چکے ہیں۔ اب مندرجہ بالا تخمینے سے اس ہولناک
نقصان کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ جو اس جنگ میں اب تک
جرمنی کو پہنچا ہوگا۔ دوسری حکومتیں ابھی باقی ہیں۔ اگر جنگ نے
طول پکڑا تو عالم انسانیت کے اس نقصان کا آخری میزان کیسا ماتم
انگیز ہوگا جو محض چند مغرور انسانوں کے فتنہ و فساد اور حرص سیادت
سے کرۂ ارض پر عالمگیر ہو رہا ہے۔

آج ۴۰ سال سے تمام ملکوں کی ضروریات بہت بڑھ گئی ہیں اور بڑھتی
جاتی ہیں۔ موجودہ دور تمدن میں انسانی زندگی نہایت گراں قیمت
ہوگئی ہے جس کا اثر ہر ایک ملک پر جنگ کی شدت کے ساتھ پڑا ہے۔ ۱۸۷۰ء
میں جرمنی اور فرانس کے درمیان جنگ شروع ہوئی تھی۔ اس میں جرمنی کو

فی سپاہی ۵ روپیہ اور فرانس کو ساڑھے ۵ روپیہ روزانہ صرف کرنا پڑتا تھا۔ لیکن آج ایک سپاہی کا روزانہ خرچ ساڑھے سات روپیہ سے کسی طرح کم نہ ہوگا۔ جنگ ٹرانسوال میں تو انگریزوں کو فی سپاہی ایک گنی تک صرف کرنا پڑتا تھا۔

آسٹریا کے وزیر جنگ نے سنہ۱۹۰۹ء میں بیان کیا تھا کہ زمانہ جنگ میں ایک آسٹرین سپاہی کا خرچ روزانہ ساڑھے سات روپیہ تک پہنچ جاتا ہے۔ بیوہ عورتیں۔ یتیم بچے۔ ہتھیار اور رسد کی فراہمی کا خرچہ اس کے علاوہ ہے۔ اس بنا پر اگر ۲۰ لاکھ فوج چھ ماہ تک مسلسل سرگرم پیکار رہے۔ تو اس پر ۱۸۰ ملین گنی صرف کرنا ہوگی۔

یورپ میں سب سے تازہ ترین اور عظیم الشان جنگ فرانس اور جرمنی کی لڑائی خیال کی جاتی ہے۔ یہ جنگ مہاجنوں کی توقعات کے خلاف قائم ہوگئی تھی۔ اس بنا پر ان کو تاوان اٹھانا پڑا۔ ابتدائی جنگ میں فرانسیسی بنکوں کی شرح قرضہ ۲۰۷ فی صدی تھی۔ لیکن اعلان جنگ ہونے کے ساتھ ہی دفعتاً بازار نرخ گر گیا اور شرح قرضہ ۶۰۶ فی صدی تک اتر گئی۔ جنگ کے ساتھ ساتھ شرح قرضہ کا تنزل بھی برابر جاری رہا۔ یہاں تک کہ یہ واقعہ میدان کے بعد ۳ فی صدی تک پہنچ گیا۔ اور اس کے بعد نوٹوں کی خرید و فروخت کا سلسلہ قریب قریب بالکل رک گیا۔ اگر کسی کو اس کی ضرورت پیش آتی تھی تو نقد قیمت ادا کرنا اور سخت نقصان اٹھانا پڑتا تھا۔

فرانس کے بنکوں سے ۹ جون ۱۸۷۰ء تک کی مختصر مدت میں جو رقم نکالی گئی، اس کی تعداد ۴۴ ملین گنی تھی۔ اعلانِ جنگ کے وقت پروشیا کے خزانہ میں ۴۵۰۰۰۰ گنی موجود تھیں اور اس نے قرض بھی لینا چاہا تھا۔ جس کی قیمت ۱۰ ملین تک تھی۔ لیکن اس مدت میں دو ملین سے زیادہ جمع نہ ہو سکا۔ اور پروشیا کی ہنڈیوں کا نرخ ۳ ۹ سے گر کر ۶۹ تک پہنچ گیا تو بھی کمپنیوں کے حصے بھی ۴۳ فی صدی ملین تک کم ہو گئے تھے چنانچہ اس کے بعد پرنس بسمارک نے خود کہا تھا کہ "اگر سلطنت کے چار ملین گنی خزانۂ سلطنت میں نہ ہوتیں تو جرمن دو دن بھی فرانس سے نہیں لڑ سکتے۔"

فتح کے بعد بسمارک نے دس لاکھ ملین گنی کا تاوان جنگ طلب کیا تھا۔ لیکن آخر میں دو لاکھ ملین گنی پر راضی ہو گیا۔ فرانس نے یہ رقم خطیر دو سال کی مدت میں ادا کی اور اس کی وجہ سے یورپ کے مالی بازار میں دفعتًا بھاڑ و پھر گیا۔

زمانۂ جنگ روس و جاپان میں مالی تحفظ کے لئے جاپان نے جو اہتمام اور تیاریاں پہلے سے کی تھیں، وہ اس کے لئے نہایت مفید ثابت ہوئیں۔ چنانچہ جاپان نے اعلان سے پہلے ہی ۱۱۶۹۷۰۰۰ گنی کی رقم خطیر بنک میں جمع کر لی تھی۔ روس کے بنک اور سلطنت کے خزانہ کا کل سرمایہ ۱۰۵۰۰۰۰۰ گنی تھا۔ لیکن اختتام جنگ پر

جاپان کے خزانے میں ۴۰۰۰۴۴ اگنی باقی رہ گئی۔ حالانکہ وہ جنگ پر ۲۲ لاکھ ملین گنی صرف کر چکا تھا۔ اس مالی فائدوں کی وجہ صرف یہ تھی کہ دوران جنگ میں جاپانی قوم اور جاپانی سلطنت اپنی تمام ضروریات کو ملکی ساخت کی چیزوں سے پورا کرتی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ روپیہ بنک سے نکل کر ملک کی جیب میں آجاتا تھا اور ملک کی جیب سے نکل کر خزانہ سلطنت کو پر کر دیتا تھا۔ خزانہ سلطنت اس کو بنکوں میں منتقل کر دیتا۔ اور اس طرح جو کچھ بنکوں سے برآمد کیا جاتا تھا۔ وہ پھر پھر کر پھر دوبارہ انہیں میں داخل ہو جاتا تھا یہی وجہ ہے کہ جنگ کے اس طویل زمانہ میں جاپانی بنک کو صرف ایک ملین گنی کا خسارہ اٹھانا پڑا۔ جو تاریخ جنگ میں ہمیشہ کے لئے کارنامۂ فخر رہے گا۔

جاپان کی حکومت نے اضافۂ نرخ اشیاء کو بھی نہایت سختی کے ساتھ روک دیا تھا۔ اس لئے حکومت کا سرمایہ حکومت ہی کے خزانے میں محفوظ رہا۔ اور وہ اس سے نکل کر تاجروں کے خزانہ کا جزو نہ بن سکا۔

مالی بازار پر جنگ کا اثر بلقان کی آخری لڑائی سے ظہور پذیر ہوا ہے۔ جب ریاست ہائے متحدہ بلقان نے اخیر ستمبر ۱۹۱۲ء میں فوجی تیاریاں شروع کیں تو برلن اور وائنا کے بنکوں پر اول اکتوبر ہی میں اس کا اثر پڑ گیا۔ اور رفتہ رفتہ پیرس کے بنکوں تک

متعدی ہوا۔ لیکن جب مانٹی نگرو نے بھی جنگ کے لئے ہتھیار اٹھائے۔ تو پیرس۔ برلن اور لندن کے بنکوں کا سٹنگ استقامت بھی دفعتاً ہل گیا۔ اور چھ ماہ تک یورپ کے تمام بنک اسی حالتِ تزلزل میں رہے۔

اسی اثنا میں جرمنی اور فرانس نے فوج کی تعداد میں اضافہ کرنا چاہا۔ مالی حالت پر اس کا بھی نہایت گہرا اثر پڑا۔ چنانچہ ستمبر ۱۹۱۲ء سے اخیر جولائی ۱۹۱۳ء تک کی مدت میں کمپنی کے حصوں اور ہنڈیوں کا نرخ ۵۰۰ ملین گنی گھٹ گیا اور تمام مہاجنوں نے بنک سے اپنے روپے نکال لئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جن بنکوں میں اوائل ستمبر ۱۹۱۳ء تک ۵۴۵۴۳۱۰۰۰ گنی کے نوٹ برآمد ہوتے تھے، ان میں اخیر دسمبر ۱۹۱۲ء تک صرف ۱۱۵۰۹۰۰۰ گنی رہ گئی۔ یعنی راس المال ۳۴۳۹۰۰۰ گنی کی کمی آگئی۔

جنگ بلقان سے یورپ کے بنکوں کو جو نقصان عظیم اٹھانا پڑا، اس کی تعداد کم از کم ۷۰ ملین گنی ہے۔ کیونکہ لوگوں نے خوف اور بے امنی کی وجہ سے اپنا تمام سرمایہ بنکوں سے نکال کر اپنے گھروں میں بھر لیا۔ اس وقت سے تمام بڑی بڑی سلطنتیں آنے والے خطرات کے انسداد کے لئے اپنے اپنے بنکوں کے سرمایہ میں اضافہ کرنے لگیں۔ چنانچہ ذیل کے نقشہ سے اس کا اندازہ ہو سکتا ہے:

آخر ۱۹۰۹ء، ۱۹۱۰ء

نام بنک	سرمایہ اصلی	اضافہ	اضافہ کی مجموعی تعداد
بنک آف انگلینڈ	۳۸۲۲۵۰۰۰	۳۰۲۶۲۰۰۰	۹۵۵۸۰۰۰
امپیریل بنک آف جرمنی	۲۲۳۲۵۰۰۰	۳۱۸۸۳۰۰۰	۳۰۳۷۰۰۰
بنک آف آسٹریا ہنگری	۴۳۸۰۴۰۰۰	۵۳۴۹۹۰۰۰	۱۰۶۹۵۰۰۰
بنک آف فرانس	۱۵۳۸۱۰۰۰	۴۷۷۱۰۰۰۰	۳۲۴۱۹۰۰۰
بنک آف روس	۸۷۸۵۹۰۰۰	۱۲۶۸۰۱۰۰۰۰	۳۸۹۴۲۰۹٪
بنک آف یونائیٹڈ اسٹیٹ امریکہ	۱۳۶۷۷۷۰۰۰	۴۸۲۱۴۴۰۰۰	۱۴۵۳۷۶۰۰۰

۱۹۰۹ء و ۱۹۱۰ء میں دنیا کی کانوں سے بقدر ۸۰۷۴۰۰۰۰ گنی کے سونا نکالا گیا۔ بنک و تجارت وغیرہ پر اس کی تقسیم جس مقدار پر کی گئی اس کا اندازہ ذیل کے نقشہ سے ہوگا"

تجارت وغیرہ	۱۹۱۷۰۰۰۰۰
ہندوستان کو دیا گیا	۸۶۶۰۰۰۰۰
مصر کو دیا گیا	۲۹۰۰۰۰۰
بنک آف جاپان میں داخل کیا گیا	۱۳۸۰۰۰۰۰
بنک آف ساؤتھ امریکہ	۶۸۰۰۰۰۰
بنک آف میکسیکو (امریکہ)	۵۷۰۰۰۰۰
بنک آف یونائیٹڈ اسٹیٹ (امریکہ)	۱۴۵۳۰۰۰۰۰

بنک آف کنیڈا (برطانوی نو آبادی)	۱۴۱۰۰۰۰۰
بنک آف آسٹریلیا و جرمنی و افریقہ	۱۹۱۰۰۰۰۰
بنک آف یورپ	۱۴۲۶۰۰۰۰۰
عام اور بقیہ بنک	۵۴۷۰۰۰۰۰

میزان کل = ۸۰۴۳۰۰۰۰۰۰

مصارف جنگ کی وسعت۔ کانوں کی پیداوار۔ بنکوں کی درآمد برآمد اور مہاجنوں کے لین دین سے ثابت ہو گیا ہوگا کہ اس زمانے میں لڑائی کی باگ ڈور تمام تر مہاجنوں ہی کے ہاتھ میں تھی۔ وہ مالی مدد دے کر جس سلطنت کو چاہیں دوسری سلطنت سے لڑا سکتے ہیں۔ یا جنگ روک سکتے ہیں۔ ابھی دو برس کا زمانہ گذرا ہے کہ جرمنی اور فرانس میں جب جنگ کا اندیشہ پیدا ہو گیا تھا۔ تو فرانس کے مہاجنوں نے اپنا تمام سرمایہ اپنے بنکوں سے نکال لیا تھا۔ مجبوراً جرمنی کو اس ارادہ سے باز آنا پڑا۔ دولت عثمانیہ اور یونان میں بھی جنگ کے سبب سے خطرے پیدا ہوئے تو مہاجنوں نے باب عالی کو دھمکی دی کہ " اگر جنگ جاری کی گئی تو قرض دینے سے اپنا ہاتھ کھینچ لیں گے "

لیکن افسوس ہے کہ اس وقت سے الٹا کام لیا جاتا ہے۔ دنیا میں جتنی لڑائیاں قائم ہوتی ہیں۔ ان کی تہ میں انہی مہاجنوں کا ہاتھ کام کرتا ہے۔ اور اس سے ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جب دوران جنگ

میں لڑنے والی سلطنتوں کو لڑنے کی ضرورت پیش آئے گی تو قرض دے کر ان لوگوں کو سالانہ سود کے سمیٹنے کا موقع مل جائے گا، یا اور متعدد اقتصادی و مالی اغراض ہوتے ہیں، جن کے لئے وہ کسی انقلابی حالت کی ضرورت دیکھتے ہیں۔

لارڈ سیسل اور جنگ ٹرانسوال کے تعلقات کی داستان قارئین الہلال میں بہت باخبر اور مطالعہ دوست اصحاب کو یاد ہوگی:

باب اوّل جہاد

اسماء و اعلام

اَلحَرْبُ وَالْاِسْلَامُ حرب اور اسلام میں کسی قسم کا اتحاد و ائتلاف نہیں ترکیب ہجائی کے لحاظ سے ان دونوں لفظوں میں ایک حرف بھی اشتراک نہیں پایا جاتا۔ مفہوم لغوی میں اس سے بھی زیادہ اختلاف ہے۔ حرب کے لغوی معنی سے ایک ایک بچہ واقف ہے۔ لیکن اگر کوئی بد قسمت انسان ایسا بھی ہے جس کو اس کی تحقیق کی ضرورت ہے تو قاموس اور لسان العرب کی ورق گردانی کی جگہ اس کو دنیا کی بربادیوں کی تاریخ کا بغور مطالعہ کرنا چاہیے۔ جس کا ایک ایک صفحہ اس لفظ کی عبرت انگیز تفسیر کرتا ہے۔ اگر اس کو اس سے بھی تسکین نہ ہو تو اس وقت یورپ کا میدان کارزار ایک مبسوط لغت کی طرح دنیا کے سامنے کھلا ہوا ہے۔ خون کی دھاریں اس کی ایک ایک سطر کو نمایاں کر رہی ہیں۔ ان سطروں میں اس لفظ کی سرخی آسانی کے ساتھ نظر آ سکتی ہے۔ لیکن ایسی حالت میں جبکہ ارض الٰہی کا امن سمندر کی خونی لہروں میں ڈوب گیا ہے۔ صلح و آشتی کی دیوی نے خون کی چادر دریا

میں اپنا منہ چھپا لیا ہے۔ اور اطمینان و سکون کو خونخوار توپوں کا دہن آز
نکل چکا ہے۔ لفظِ اسلام کی لغوی تحقیق مشکل اور از بس مشکل ہے
ایسی حالت میں دنیا کو کیونکر یقین دلایا جا سکتا ہے کہ اس لفظ کا مادہ
سَلَم ہے جس کے معنی صلح کے ہیں۔ صلح کا آخری نتیجہ اطاعت و فرماں
برداری ہے۔ اس لئے اگر یہ صحیح ہے کہ اسلام کے معنی گردن
نہادن کے ہیں تو دنیا کے تمام مذاہب میں صرف یہی ایک ایسا
مذہب ہے جو صلح و آشتی کا آخری نتیجہ ہے اور جس کی حقیقت ہی
صلح و آشتی ہے۔

وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا ۔

اور خدا کے اس احسان کو یاد کرو کہ جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو خدا نے تم میں باہم میل اور الفت پیدا کر دی اور تم اس کے فضل سے بھائی بھائی ہو گئے۔

لیکن با ایں ہمہ تنافی و تباین۔ با ایں ہمہ تضاد و تقابل۔ با ایں ہمہ تخالف
و تناقض، اب تک یورپ ان دونوں لفظوں کو مرادف و ہم معنی سمجھ رہا
ہے ایک یورپین کے سامنے اسلام کا نام لیا جاتا ہے تو جنگ کا ایک وسیع
سلسلہ اس کے پیش نظر آ جاتا ہے۔ خونریزی اور وحشت۔ غارت گری
اور بد امنی کا ایک خونیں منظر اس کی نگاہ کے سامنے پھر جاتا ہے۔ وہ
اس کو دیکھتا ہے تو اس کا رشتہٴ نگاہ خون کی دھاروں سے مل جاتا ہے
اس کے سامنے بے پردہ اور برہنہ لونڈیوں کی قطاریں کھڑی ہو جاتی ہیں

اس کے سامنے گنجینہ و دفائن کا ایک ڈھیر لگ جاتا ہے۔ جن کو ہر مجاہد کا دامنِ حرص و آز سمیٹ لیتا ہے۔ یورپ کی قدیم و جدید تاریخ سے اگرچہ اس کا معارضانہ جواب نہایت آسانی کے ساتھ دیا جا سکتا ہے یورپ کے جنونِ مذہبی کی یادگار صلیبی جنگ کی تاریخ کا ہر صفحہ خون کی ایک چادر ہے جس نے ایک مدت تک دنیا کے امن و آشتی کو اپنے اندر چھپا لیا تھا۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ یورپ کا موجودہ میدانِ کارزار ایک عرصۂ رستخیز ہے۔ جس کی توپوں کے دہانے سے یہ زلزلہ انگیز صدائیں بلند ہو رہی ہیں۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكَارَى وَمَا هُمْ بِسُكَارَى وَلَٰكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ (الآیۃ)

لوگو! اپنے خدا سے ڈرو کہ وقت موجودہ کا بھونچال ایک بڑی ہی مصیبت ہے اس دن ہر دودھ پلانے والی اپنے شیرخوار بچے کو بھلا دے گی اور ہر حاملہ کا حمل ساقط ہو جائے گا اور لوگ متوالے و بدحواس نظر آنے لگیں گے حالانکہ وہ متوالے نہ ہوں گے بلکہ خدا کا عذاب ہی سخت ہے جس نے انھیں بدحواس کر دیا ہے

الحرب والعرب

لیکن اس سوال کے تحقیقی جواب کے لئے ہم کو سب سے پہلے عرب ہی کی قدیم تاریخ کی طرف رجوع کرنا چاہیئے، جہاں سے اسلام کا ظہور ہوا تھا۔ جس میں

اسلام نے نشو نما پائی تھی اور جس میں بزعم یورپ اسلام نے تمرد کا طوفان برپا کیا تھا۔

عرب نے ابتدا ہی سے مثل دیگر اقوام کے جنگ کا نہایت بد نما نمونہ قائم کیا تھا۔ ان کی اکثر لڑائیاں لوٹ مار کے لئے ہوتی تھیں۔ جو لڑائیاں غیرت، خودداری، حمیت اور عزت نفس کے تحفظ کے لئے برپا ہوتی تھیں ان میں بھی غارت گری کا وحشیانہ منظر نمایاں طور پر نظر آتا تھا۔ بلکہ اس کی لڑائیوں میں بغض و عداوت کا شعلہ ان کے وحشیانہ افعال کو اور بھی زیادہ روشن کر دیتا تھا۔ عرب کی لڑائیوں کی خصوصیات کو ہم یہاں ان کے ادب و اشعار سے مختصر طور پر درج کرتے ہیں آپ غور کیجئے۔

۱۔ (عورتیں بے پردہ کر دی جاتی تھیں اور اس پر علانیہ فخر کیا جاتا تھا)

وعقیلة یسعی علیها قیم ‌‌‌‌ ‌‌ متغطرس ابدیت عن خلخالها

(یعنی بہت سی پردہ نشین عورتیں ہیں جن کا خوددار شوہر باوجودیکہ ان کی حفاظت کی کوشش کرتا ہے لیکن میں نے ان کے پازیب کھول دئے)

اس نے اہل عرب عورتوں کی حفاظت دستر پوشی کو اپنا سب سے بڑا کارنامہ خیال کرتے تھے۔ چنانچہ اوپر کے شعر سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ ایک دوسرا شاعر کہتا ہے:

وغادة بیضاء عفرت براسها ‌‌ ‌‌ اصلاد کان منشر لیشمالها

(اور ایک نوجوان عورت کو میں نے شام کے وقت دو پٹا اوڑھا دیا حالانکہ وہ دن بھر بے پردہ اور بدحواس رہ چکی تھی)

شاعر کا یہ فخر ایسے ہی ماحول میں مناسب سمجھا جاتا ہے۔

۲۔ (بغض و عداوت کے نشے میں تذلیل و تحقیر کے لئے میدان جنگ میں دشمنوں کی لاشوں کو گھسیٹنا لڑائیوں میں اکثر ہوتا تھا۔)

چنانچہ یہ کہنا کہ میں نے حریف کو میدان جنگ میں پاؤں پکڑ کر گھیٹا، اس جملہ کا مرادف تھا کہ میں نے اس کو قتل کیا گویا قتال اور یہ تذلیل دونوں لازم اور ملزوم تھے۔ ایک شاعر کہتا ہے:

وشد داشدة اخرى فجرا   بارجل مثلهم ودموا دجينا

یعنی دشمنوں نے دوسرا حملہ کر کے اپنے حریف مقابل کے پاؤں پکڑے اور گھسیٹا اور جبین کو تیر مارا۔

۳۔ (دشمن کے ناک کان کاٹ ڈالنا اور ان کی صورت کو مسخ کر دینا نہ صرف مردوں تک ہی محدود تھا، بلکہ عورتیں اس میں مردوں سے بھی آگے تھیں)

چنانچہ تاریخ اسلام میں حضرت حمزہ کی لاش ہندہ کے اس وحشیانہ طرز عمل کا درد انگیز منظر پیش کرتی ہے۔

۴۔ (دشمن کو زندہ آگ میں جلا دینا ایک بڑا تاریخی کارنامہ خیال کیا جاتا تھا)

چنانچہ ایک شخص نے کسی قوم کو آگ میں جھونک دیا تھا جس کی یادگار میں عرب نے اس کو محرّق کا خطاب دیا۔ اور اس نے عرب کی تاریخ جنگ میں ایک نئی تلمیح پیدا کر دی۔ چنانچہ ایک شاعر چند بہادران

عرب کی مدح میں کس شان افتخار سے کہتا ہے۔

کانوا علی الاعدآء نار محرق ولقومھم حرماً من الاحرام

یعنی وہ لوگ دشمنوں کے لئے تو محرق کی آگ تھے جس نے ایک قوم کو زندہ جلا دیا تھا، مگر اپنی قوم کے لئے منجملہ اور پناہ گاہوں کے ایک پناہ گاہ تھے۔

جنگ اگرچہ ہمیشہ دنیا کے لئے ایک مصیبت خیال کی گئی ہے مگر عرب کے وحشیانہ طریقۂ جنگ نے مثل روم و بابل کے اس کو اور بھی زیادہ مہیب وخطرناک بنا دیا تھا۔ چنانچہ عربی زبان میں جنگ کے لئے جو الفاظ، جو ترکیبیں اور جو استعارات وضع کئے گئے تھے۔ ان سب سے اس کا اظہار ہوتا ہے۔ اہل عرب جنگ کو آگ سے تشبیہ دے کر اس کے لئے آگ کے تمام لوازمات ثابت کرتے تھے۔ ایک شاعر کہتا ہے:

واوقدنا نارا بینھم لضرامھا لھاوھج للمصطلی غیر طائل

اور عداوت دونوں قبیلوں میں آگ کے شعلے بھرکائے جو تاپنے والے کے لئے سخت مضر ہوں۔

خود قرآن مجید نے بھی اس استعارہ کو استعمال کرکے ایک لطیف تلمیح پیدا کی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

کلما اوقدوا نارا للحرب اطفاھا اللہ ط	کہ جب انھوں نے لڑائی کی آگ بھڑکائی تو اللہ نے اس کو بجھا دیا۔

لڑائی کو اونٹ سے تشبیہہ دیتے تھے جو سب سے زیادہ انتقام کیش جانور ہے اور جب زمین پر دفعتاً بیٹھتا ہے تو اس کے عظیم الشان سینہ اور گردن کا ثقل ہر اس چیز کو چور چور کر دیتا ہے جو اس کے اندر آجاتی ہے۔ ایک شاعر نے خوب بلاغت سے بھرے ہوئے کلام میں کہا ہے:

انختم علینا کلکل الحرب مرۃ	نحن نبخوھا علیکم بکلکل

یعنی جس طرح تم نے ہمارے اوپر لڑائی کے اونٹ کو بٹھا کر ہمیں چور چور کر دیا تھا اسی طرح ہم بھی تم کو پاش پاش کر دیں گے۔

مفرد استعارے بھی اسی قسم کے مفہوم پر دلالت کرتے تھے نِطَاح مینڈھوں کے ٹکر لڑنے کو کہتے ہیں۔ لڑائیوں میں بھی چونکہ اسی قسم کی بہیمیت و سبعیت کا اظہار کیا جاتا تھا۔ اس لئے حملے کے لئے اس لفظ سے استعارہ کرتے تھے۔ چنانچہ ایک شاعر نے کہا ہے:

دا لکربعد الفرار	کرہ التقدم والنطاح

اور پہلو بچانے کے بعد حملہ جب کہ آگے بڑھنا اور ٹکر لینا بھی ناگوار معلوم ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ مفرد الفاظ بھی اسی قسم کے معانی پر مشتمل ہوتے تھے۔ عربی زبان میں لڑائی کے لئے ایک متداول لفظ رَوُع ہے جس کے معنی خوف و دہشت کے ہیں۔ ایک شاعر کا قول ہے:

اذا حملتنی والسلاح مشیحۃ	الی الروع لم اصبح علی سلم واکل

جب وہ گھوڑا مجھ کو مع ہتھیاروں کے سوار کر کے دوڑے گا کسی میدان کی طرف تو میں اس وقت بکر بن وائل بہادر کی صلح کو منظور نہ کروں گا بلکہ جم کر مقابلہ کروں گا۔

ایسی ہی لڑائی کو یَوم کَرِیہَہ بھی کہتے تھے۔ جس کے معنی مصیبت و تکلیف کے دن ہیں۔ اور جو لوگ مرد میدان ہوتے تھے ان کو ابن الکریہہ کا خطاب دیتے تھے یعنی فرزند مصیبت۔ ایک شاعر کا کہنا ہے۔

الا فی بنی حصن من ابن کریہۃ   من القوم طلاب الترات غشمشم

کیا قبیلہ بنی حصن میں کوئی مصیبت کا انتقام کن اور اولو العزم فرزند نہیں ہے۔ یہاں مصیبت سے مراد شاعر کی جنگ ہے۔ یعنی کیا بنی حصن میں کوئی فرزند بہادر جنگجو نہیں ہے۔

عربی زبان کی وسعت اس قسم کے سیکڑوں ہزاروں الفاظ پیش کر سکتی ہے۔ لیکن سب سے زیادہ متداول لفظ حرب تھا جو لغوی معنی کے لحاظ سے مقاصد جنگ کی ایک جامع تفسیر ہے۔ دنیا میں صرف لوٹ مار یا بغض و انتقام کے لئے شعلۂ جنگ بھڑکایا جاتا تھا۔ پہلی قسم کی لڑائیوں کو (جو لڑائیاں صرف لوٹ مار کی غرض سے لڑی جائیں) الف و عادت عرب کے لئے ایک معمولی چیز بنا دیا تھا۔ لیکن دوسری لڑائیاں جو بغض و انتقام کے لئے لڑی جاتیں، ان کی عبرت انگیز داستانوں کو تاریخ نے محفوظ رکھا ہے۔ جن کے لئے اہل ادب کی اصطلاح میں

ایام العرب کا لفظ وضع کیا گیا ہے۔ حرب کا لفظ ان دونوں قسموں کی لڑائیوں کے اسباب و مقاصد پر محیط ہے۔ جیسا کہ تصریحات لغت سے ثابت ہوتا ہے۔ اہل لغت نے اس کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے کہ حرب کے معنی حَرِبَ خشمگیں شدن تحَرَّبَ بر اعلا تیدن۔ غصہ ہونے کے ہیں۔ اور تحریب کے معنی بھڑکانے و خشم کردن۔ و بخشم آوردن۔ و تیز کردن سنان را۔ غصہ کرنے۔ غصہ دلانے اور نیزہ تیز کرنے کے ہیں۔

حربیۃ الرجل مالہ الذی یعیش بہ حریبۃ گرفتن مال کسے و بے چیز ماندن وند حرب مالہ ای سلبہ۔ فھو محروب وحریب۔ واحربتہ ای دللتہ علی ما یغنمہ من عدد واحرب ای سلب مالہ

حریبہ اس مال کو کہتے ہیں جس پر آدمی زندگی بسر کرتا ہے۔ حرب کا اطلاق کسی کے مال کو لے لینے اور قلاش رہ جانے پر ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حرب مالہ یعنی اس کا مال چھین لیا گیا لٹے ہوئے شخص کو محروب اور حریب کہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ احربتہ، یعنی میں نے کسی شخص کے مال کی رہنمائی کی تاکہ اس کو لوٹ لے اور کہا جاتا ہے کہ احرب یعنی وہ شخص لوٹا گیا لٹ گیا۔

انقلاب اسلام یہی قوم تھی، یہی لٹریچر تھا، یہی زبان تھی جس میں قرآن مجید نازل ہوا۔ اب ہم کو دیکھنا چاہیے کہ اس نے عرب کے

عقائد۔ عرب کے اعمال۔ عرب کے تمدن۔ عرب کی تہذیب میں جو اصلاحیں کیں۔ عرب کی تاریخ جنگ پر اور پھر تمام دنیا کی تاریخ جنگ پر بھی ان تغیرات و اصلاحات کا اثر پڑا ہے یا نہیں۔

قرآن حکیم نے عقائد۔ اعمال۔ اخلاق اور تہذیب و تمدن کے متعلق جو اصلاحیں کیں۔ وہ صرف ان کی سطح باطنی تک محدود نہیں ہیں بلکہ ان کے خال و خط ان چیزوں کی سطح ظاہری پر بھی نمایاں نظر آتے ہیں الفاظ و اصلاح اگرچہ کوئی حقیقی چیز نہیں بلکہ معانی کا غلاف ہیں جو ان کے اوپر چڑھا دیا گیا ہے۔ لیکن چونکہ اسلام کی اصلاحیں مغز و پوست دونوں کو شامل ہیں۔ اس لئے اس نے تمام چیزوں کے ساتھ عربی لٹریچر اور عربی زبان کی بھی اصلاح کی ہے۔ زبان درحقیقت ہماری کیفیات نفسیہ کی سفیر ہے جو نہایت دیانت داری کے ساتھ ہمارے دل کا پیغام دنیا کو پہنچا دیتی ہے۔ اسی بنا پر وہ تمام تر ہمارے خیالات ہمارے عقائد اور ہمارے اخلاق و عادات کی تابع ہے۔ وحشت کے زمانہ میں چونکہ انسان کے خیالات نہایت پست و ذلیل ہوتے ہیں۔ اس لئے الفاظ و عبارات پر بھی ان کا اثر پڑتا ہے۔ کمینہ قوموں میں سیکڑوں فحش الفاظ اسی پستئ اخلاق کی بنا پر رواج پا جاتے ہیں، جن کو ایک متمدن انسان سن بھی نہیں سکتا۔ عرب کی وحشت اور بدویت نے اس قسم کے جو الفاظ پیدا کر دئے تھے اس کو وہ اعلیٰ درجہ کا تمدن نہیں گوارا کر سکتا تھا جس کو قرآن مجید پیدا کرنا چاہتا تھا۔

اسی تنا پر قرآن مجید نے ان تمام الفاظ کی جگہ اور ان کو بدل دیا۔ چنانچہ حسب ذیل نمونے ملاحظہ ہوں۔

اظہار خیالات کا سب سے زیادہ نازک موقع وہ ہوتا ہے جہاں انسان کے وظائف زوجیت اور اجتماع تناسلی کے بیان کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ عرب کے مشہور شاعر امرؤ القیس نے جس تحاشا طریقہ سے اس خیال کو ظاہر کیا تھا تمام ادبیات اسلام کی تہذیب اس سے نالاں ہے۔ ملاحظہ ہو:

ومثلک حبلی قد طرقت ومرضع فالهيتها عن ذي تمائم محول

لیکن قرآن حکیم میں خاص عورتوں کے متعلق سورۂ نساء نازل ہوئی چونکہ اس میں عورتوں کے نکاح۔ طلاق کے تمام احکام مذکور ہیں۔ اس لئے قدرتی طور پر نازک مواقع بیان بھی بار بار آتے ہیں لیکن قرآن مجید نے جن مہذب الفاظ اور لطیف اشارات میں ان کا ذکر کیا ہے۔ ان کو شرم وحیا اپنے چہرے کا نقاب سمجھتی ہے مثلاً یہ مفہوم ادا کرنا تھا کہ خلوت صحیحہ کے بعد عورتوں سے پھر مہر واپس نہیں لیا جاسکتا اس کو قرآن نے ان الفاظ میں ادا کیا:

وَكَيْفَ تَاخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا (النساء)	تم ان سے مہر کیونکر واپس لے سکتے ہو حالانکہ تم میں ہر ایک دوسرے تک پہنچ چکا اور انھوں نے پختہ وعدہ لے لیا۔

قرآن حکیم نے دوسرے موقع پر اس کے لئے لمس کا لفظ استعمال کیا ہے جس کے معنے صرف چھونے کے ہیں۔ مرد اور عورت کے اجتماع خاص کو وہ صرف چھونے سے ادا کرتا ہے:

اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا (النساء)	اگر تم نے عورتوں کو چھو لیا ہو اور غسل کے لئے پانی نہ ملے تو صاف زمین پر تیمم کر لیا کرو۔

انسان کی بعض حوائج فطریہ کا ذکر بھی اکثر حالتوں میں تہذیب کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے قرآن کریم نے جائے ضرورت کا ذکر غائط سے کیا ہے جس کے معنی ہموار زمین کے ہیں۔ کیونکہ انسان قضاء حاجت کے لئے اکثر ہموار زمین ہی کا انتخاب کرتا ہے تاکہ آسانی ہو۔

اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا	اگر تم میں سے کوئی شخص جائے ضرور سے آئے یا تم عورتوں کو چھو دو پھر غسل کے لئے پانی نہ ملے تو پاک زمین پر تیمم کر لیا کرو۔

اکثر لوگ مزاحاً تحقیراً اشخاص کے نام بگاڑ دیتے ہیں اور رفتہ رفتہ یہی مسخ شدہ نام ان کا اصلی نام پڑ جاتا ہے۔ مدینہ میں اس کا عام رواج ہو گیا تھا۔ بظاہر یہ ایک معمولی بات تھی۔ لیکن قرآن نے اس سے بھی بچ لیا۔ اور اس کے متعلق قرآن مجید میں ایک پوری آیت نازل ہوئی اور اس پر سخت تنبیہہ کی گئی:

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۔

مسلمانو! کوئی قوم کسی قوم کی ہنسی نہ اڑائے شاید وہ ان سے بہتر ہو آپس میں ایک دوسرے کی تحقیر کی غرض سے اشارے بازیاں نہ کرو لوگوں کے نام نہ بگاڑو ایمان لانے کے بعد ایسے ناموں کا ہونا کیسی بری بات ہے جو لوگ اب بھی باز نہ آئے تو وہ ظالم ٹھہریں گے ۔

یہ اصلاحیں ان خیالات کے طریق اظہار کے متعلق نہ تھیں جن کو اسلام نے نہیں بدلا تھا اور ان کی حقیقت تبدیل نہیں کی ۔ لیکن اسلام نے جنگ کی حقیقت ، اس کے اسباب ، اس کے مقاصد میں ایک عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیا تھا ۔ جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے ۔ اس لحاظ سے جنگ کے متعلق عرب کا لٹریچر اس کی اصلاح کا سب سے زیادہ مستحق تھا عرب میں جنگ کے لئے سیکڑوں الفاظ ، سیکڑوں ترکیبیں ، سیکڑوں محاورے اور سیکڑوں استعارے پیدا ہو گئے تھے ۔ لیکن وہ سب کے سب ایک وحشیانہ جنگ کے لئے موزوں تھے ۔ ایک متمدن قوم ، ایک ترقی یافتہ نظام ، ایک صلح پسند مذہب ، ایک پیام رسان امن جماعت

ان الفاظ کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی اور ایک ایسی جدوجہد اور تحریک کے لئے جس کا مقصد ہی جنگ روکنا۔ فتنہ و فساد کا خاتمہ اور امن و اطمینان کا قیام ہو۔ اس کے لئے قطعاً یہ الفاظ ناموزوں تھے .... اس لئے حقیقت جنگ کے انقلاب کے ساتھ اسلام نے تمام الفاظ محاورات کو بھی یک لخت متروک کیا اور غزا و ستیز اسلامیہ کے لئے صرف ایک سادہ لفظ " جہاد " استعمال کیا۔ جس سے کہ حرب کی طرح نہ تو غیظ و غضب کے جذبات ظاہر ہوتے تھے نہ لوٹ مار، سلب و غضب اور وحشت کی بو آتی تھی۔ بلکہ وہ اس انتہائی کوشش پر دلالت کرتا ہے جو ایک اعلیٰ مقصد کے حصول کیلئے کی جا سکتی ہے۔ خواہ وہ بذریعہ قوت ہو یا بذریعہ زبان، خواہ بذریعہ افعال جوارح ہو یا بواسطۂ قبضۂ شمشیر۔

لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (الآیۃ)	انسان کو صرف اپنی کوشش ہی کا صلہ مل سکتا ہے۔

قرآن کریم نے جنگ کے ہر موقع پر اسی لفظ کا استعمال کیا ہے اور قرآن کی اصطلاح میں اس کا استعمال و اطلاق صرف جنگ اور خونریزی تک ہی محدود نہیں بلکہ عموماً اس کے ذریعہ سے عام ایثار۔ ضبط نفس۔ خاموشی، تزکیہ نفس اور تہذیب و اخلاق کا اظہار کیا گیا ہے۔ سینکڑوں جگہ یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ	مگر رسول اور وہ لوگ جو اس کے

آمَنُوا مَعَهُ جَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ وَأُولٰئِكَ لَهُمُ الْخَيْرَاتُ وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ (الآیۃ)

ساتھ ایمان لائے انھوں نے جان و مال دونوں سے جہاد کیا تمام بھلائیاں اور کامرانیاں صرف ان کے لئے ہی مخصوص ہیں۔

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ (الآیۃ)

اور جن لوگوں نے ہمارے لئے جہاد (ریاضت) کیا سو ہم ان کو کامیابی کی راہ بتائیں گے اور اللہ ارباب احسان ہی کے ساتھ ہے۔

اس آیت میں جہاد نفس و روح کا ذکر کیا گیا ہے۔ اسے آں حضرت صلعم نے ام الاحادیث یعنی حدیث جبریل میں واضح تر کر دیا ہے۔

ان تعبد اللّٰہ کانک تراہ فالم تکن تراہ فانہ یراک (الحدیث)

خدا کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو اور اگر اس طرح نہیں ہو سکتا تو کم از کم اس قدر استغراق تو ضرور ہو کہ گویا وہ تجھیں دیکھ رہا ہے۔

ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ هَاجَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا فُتِنُوا ثُمَّ جَاهَدُوا وَصَبَرُوا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ (الآیۃ)

ان لوگوں کے لئے جنھوں نے سخت آزمائش کے بعد ہجرت کی پھر جہاد اور صبر کیا اللہ کا فضل تیار ہے خدا ایسی صداقتوں کے بعد بڑا معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۔ (الآیۃ)

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ۔ (الآیۃ)

وہ انسان کامیاب ہیں جنہوں نے حق اور صبر کی تلقین کی۔

خدا ان لوگوں سے پیار کرتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح استقلال کے ساتھ صف بستہ ہوکر لڑتے ہیں کہ گویا وہ ایک جڑی ہوئی دیوار ہیں جس کو کوئی گرا نہیں سکتا۔

ان آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ جہاد اسلامی کی حقیقت صرف صبر و استقلال اور ضبط و ایثار سے مفتوح ہوتی ہے۔ مال غنیمت اور اظہار غیظ و غضب وغیرہ اس کی حقیقت میں نہ تو داخل ہیں اور نہ اس کا خاصۂ لازمی ہیں۔ وہ محض بالکل عارضی چیزیں ہیں۔ جہاد کا اصلی مقصد ان سے بہت اعلیٰ و اشرف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابتداء اسلام میں طلب مال غنیمت پر عتاب الٰہی نازل ہوا تھا۔

فلما کان یوم بدر وقعوا فی الغنائم قبل ان تحل لھم فانزل اللّٰه لولا کتاب من اللّٰه سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب عظیم۔ الآیہ

(ترمذی)

جب واقعہ بدر پیش آیا تو صحابہ مال غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہو گئے حالانکہ ابھی تک وہ حلال نہیں ہوا تھا اس پر خدا نے یہ آیت نازل فرمائی کہ اگر خدا کی مشیت نے اس کا فیصلہ نہ کر دیا ہوتا تو تمہاری لوٹ مار پر بڑا عذاب نازل ہوتا

مگر فیصلہ سابقہ کی وجہ سے ٹل گیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے سب سے پہلے اور سب سے بڑے معرکۂ جہاد میں غنیمت حرام تھی۔ حالانکہ اگر اسلامی جہاد کا مقصد لوٹ مار ہوتا تو قریش کا کاروانِ تجارت اسلام کے دامن مقصود کو اچھی طرح بھر سکتا تھا۔ اس لئے قدرتی طور پر وہی اس کا بہترین موقع تھا۔ اس کے بعد اگرچہ غنیمت حلال ہوگئی۔ تاہم اس سے جہاد کے ثواب اور نیتوں کے خلوص میں کمی آجاتی تھی۔ اور یہی سمجھا جاتا تھا۔

ما من غازية تغزوا في سبيل الله فيصيبون الغنيمة الا تعجلوا ثلثي اجرهم من الآخرة ويبقى لهم الثلث وان لم يصيبوا غنيمة تم لهم اجرهم (مسلم)

جو فوج خدا کی راہ میں لڑ کر مال غنیمت حاصل کر لیتی ہے تو اس کو اجر اخروی کا دو ثلث یعنی دو تہائیاں فوراً مل جاتا ہے اور صرف ایک تہائی باقی رہ جاتی ہے اور اگر مال غنیمت نہیں حاصل کیا تو اس کا ثواب پورا قیامت کے لئے محفوظ رہتا ہے

جذبۂ انتقام کے ایک اضطراری اور بدرجہ آخر اظہار پر خود آنحضرت کو خدا کی طرف سے تنبیہ کیا گیا ہے۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۔

آپ کو اس کا کوئی حق نہیں یا تو خدا ان کی توبہ قبول کرے گا یا عذاب دیگا اس لئے کہ وہ لوگ ظالم ہیں۔

غدر و بے وفائی جنگ کا خاصہ لازمہ تھی۔ عورتوں، بچوں، قاصدوں اور نوکروں سے قتل میں کسی قسم کی تفریق نہیں کی جاتی تھی۔ بلکہ سب کے سب نذر تیغ ہو جاتے تھے۔ دشمن کو زندہ آگ میں جلا دیا جاتا تھا۔ دشمن کے ناک کان کاٹ کر بطور ہار کے فخراً پہنے جاتے تھے۔ دشمن کے ہاتھ پیر باندھ کر قتل کیا جاتا تھا۔ کھانے پینے کے لئے راستے میں کسی کو لوٹ لینا معمولی بات تھی۔ لیکن اسلام نے جنگ کی اس حقیقت کو بدل کر وقفتاً ان تمام وحشیانہ افعال کو بھی مٹا دیا۔ فرمایا:

لکل غادر لواء یوم القیامۃ یعرف بہ یقال ھذا غدرۃ فلان ط (مسلم)	قیامت میں ہر بدعہد کے لئے ایک جھنڈا کھڑا کیا جائے گا جس کے ذریعے وہ پہچانا جائے گا اور اعلان ہوگا کہ فلاں کی عہد شکنی کا جھنڈا ہے۔
ان امرأۃ وجدت فی بعض مغازی رسول اللہ مقتولۃ فانکر رسول اللہ قتل النساء والصبیان ؕ (مسلم)	آنحضرتؐ نے کسی غزوہ میں ایک مقتول عورت دیکھی تو آپؐ نے بچوں اور عورتوں کے قتل سے سختی کے ساتھ منع کیا۔ (مسلم)

مسلم کذاب کا قاصد جب اس کا خط لے کر آیا تو آپ نے فرمایا کہ لولا ان الرسول لا تقتل لضربت اعناقکما (ابوداؤد) کہ اگر قاصدوں کا قتل جائز ہوتا تو میں تمھاری گستاخی کے بدلے تمھاری گردن اڑا دیتا۔ اب جاؤ تم بامن ہو۔ ایک اور حدیث میں بہترین وضاحت ہے جس کو

ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ الفاظ یہ ہیں:

لاتقتلن امرأة ولاصبیاً یعنی عورت اور بچے ہرگز نہ قتل کئے جائیں۔ اور آگ میں جلانے سے بھی قطعاً منع فرمایا: لاینبغی ان یعذب بالنار الارب النار یعنی آگ کا عذاب صرف خدا ہی دے سکتا ہے۔ مسلمانوں کے لئے میدان جہاد میں بھی بہترین اخلاق کا نمونہ قائم کیا اور دنیا نے اخلاق میں ایک انقلاب پیدا کر دیا۔ فرمایا: کراعف الناس قتلة اهل الایمان (ابوداؤد) یعنی سب سے زیادہ شریف اور باہر وہ مسلمانوں کے مقتول ہیں۔ کیونکہ یہ ان کا ہر طرح سے عزت واحترام کرتے ہیں۔ قطع اعضا کی وحشیانہ رسم کی ممانعت کی بھی تصریحات موجود ہیں۔ کان یحثنا علی الصدقة وینهانا عن المثلة (ابوداؤد) یعنی آپ ہمیں صدقہ کی ترغیب دیتے اور مثلہ سے روکتے۔ یعنی دشمن کے اعضا قطع کرنے سے منع کرتے۔ دشمن کو باندھ کر اور اذیت دیکر قتل کرنا آج کل کی متمدن قوموں کے لئے بھی مفاخر میں داخل ہے لیکن اب سے تیرہ سو سال پہلے ریگستان حجاز کا اسلامی تمدن یہ تھا:

غزونا مع عبد الرحمان بن خالد بن ولید فاتی باربعة اعلاج من العدو فامر بهم فقتلوا صبراً فلما بلغ ذالک ابا ایوب الانصاری فقال

ہم عبد الرحمٰن بن خالد کے ساتھ ایک غزوہ میں شریک ہوئے تو چار کافر دشمنوں میں سے پکڑ لائے گئے۔ انھوں نے انکو باندھ کر قتل کر دیا۔ ابو ایوب انصاری کو خبر ملی تو انھوں نے کہا کہ آنحضرت نے اس قسم کے

اسلام نے شور و ہنگامہ کی جگہ غزوات میں سکون و وقار پیدا کیا۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ کان اصحاب النبی یکرھون الصوت عند القتال یعنی صحابہ کرام جنگ میں شور و غل کو ناپسند کرتے تھے۔ ایک مرتبہ صحابہ نے کسی غزوہ میں زور سے تکبیر و تہلیل کے نعرے بلند کئے تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اربعوا علی انفسکم انکم لا تدعون اصم ابوداؤد نے یہ روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ آہستہ آہستہ، خدا کچھ بہرا تو نہیں کہ تم یوں بلند آواز سے اس کو پکارتے ہو۔ اس کے بعد صحابہ رک گئے اور بلند آواز سے تکبیر کہنا بند کر دیا۔ عرب کی فضا فطرتاً ہمیشہ جنگ و فساد کی منتظر رہتی تھی اور اس کو حصول مال کا ذریعہ سمجھتی تھی۔ ایک شاعر کہتا ہے:

فلئن بقیت لارحلن بغزوۃ تحوی الغنائم او یموت کریم

یعنی اب اگر زندہ رہا تو ایک ایسی جنگ کی تیاری کروں گا جو مال غنیمت جمع کرنے کا بہترین ذریعہ ہوگی یا نہیں تو شریفانہ زندگی مر جاؤں گا۔ لیکن آپ نے مسلمانوں کو اس قسم کی ناگوار توقع سے منع فرمایا اور تمنائے قتال کو حرام قرار دے دیا۔

لا تتمنوا لقاء العدو فاذا لقیتموا ھم فاصبروا
(مسلم)

یعنی دشمنوں کے مقابلہ کی آرزو نہ کرو لیکن جب سامنا ہو جائے تو پھر ڈٹ کر مقابلہ کرو۔ اور کمزوری نہ دکھاؤ اسلئے کہ اب خدا خود تمہارا حامی و مددگار ہوگا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ عرب جاہلیت میں جنگ و فساد اور لوٹ مار کا فخر انبساط کے ساتھ انتظار کیا جاتا تھا۔ اور یہ انتظار قومی زندگی کے خصائص میں داخل ہو گیا تھا۔ اسلام نے اس کو ختم کیا اور اس کی جگہ یہ نظریہ مسلمانوں کے دل نشین کیا کہ مقابلہ سے بچنے کی تمنا کرو لیکن اگر مقابلہ ہو جائے تو اس کو منجانب اللہ سمجھ کر خدا پر اعتماد اور بھروسہ کر کے مردانہ وار مقابلہ کرو، اور اسی کی تیاری میں مصروف عمل رہو۔ اللہ اکبر اعتدال و توسط کی حد قائم کر کے دنیا کو عدل و انصاف اور اعتدال و توسط کا اسوۂ حسنہ دکھا دیا۔ وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا ط

جنگ کے یہی وحشیانہ افعال تھے جن پر حرب کا مفہوم لغوی مشتمل تھا اور اہل عرب نے عملی طور پر حرب کا یہی نمونہ قائم کیا تھا جیسا کہ دنیا کی اور تمام قوموں نے کیا۔ لیکن اسلام نے جنگ کے ان تمام آثار و علائم کو مٹا کر ایک نیا مدنی نظام قائم کیا۔ اس بنا پر لغت و حقیقت کسی حیثیت سے بھی جہاد اسلامی پر حرب کا اطلاق نہیں ہو سکتا تھا۔ پس یہی وجہ ہے کہ قرآن میں جہاد پر ایک جگہ بھی اس لفظ کا استعمال نہیں کیا گیا ــــ البتہ جہاد کی ایک خاص صورت کی تعبیر قتال سے کی گئی ہے ــــ جو ظاہری مفہوم کے لحاظ سے کوتہ بینوں کے نزدیک نہایت خطرناک لفظ ہے حالانکہ جہاد اور قتال میں ایک طرح کے عموم اور خصوص کا فرق ہے۔

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ یعنی کفار کو
جہاں پاؤ قتل کر دو۔ اور دوسری جگہ ارشاد ہے۔ وَاقْتُلُوْهُمْ
حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ یعنی
کفار کو جہاں پاؤ قتل کر دو اور جہاں سے انھوں نے تمہیں نکالا ہے
وہاں سے تم بھی انھیں نکال دو۔ لیکن دوسری آیت سے معلوم ہوتا
ہے یہ مشاکلۃ اللفظ باللفظ ہے جو کلام میں زور پیدا کرنے کا ایک
طریقہ ہے۔ خدا خود اپنے متعلق کہتا ہے کہ مکر ومکر اللہ
وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ حالانکہ خدا مکار نہیں بلکہ زور طریقہ سے
یہ کفار کے اعمال شنیعہ کا جواب دیا گیا ہے۔ جیسے ہم اپنی زبان میں
کہتے ہیں کہ برائی کا بدلہ برائی ہے حالانکہ برائی خود برائی ہے۔ مگر
اس کا بدلہ برائی نہیں، بلکہ وہ قانون عدل کا ایک احسن نتیجہ ہے۔ ارشاد
خداوندی ہے جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا کہ برائی کا بدلہ ویسی
ہی برائی ہے۔ اس طریقہ پر اس لفظ کا بھی استعمال کیا گیا ہے ورنہ
اس کی حقیقت سیئۃ مراد نہیں ہے اور نہ ہو سکتی ہے۔ جس طرح
خدا کے مکر کرنے سے حقیقی مکر نہیں لیا جا سکتا اسی طرح یہاں قتال سے
بھی دنیا کا عام قتال مراد نہیں ہے فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ
کہ اگر وہ تم سے مقاتلہ کریں تو تم بھی ان سے مقاتلہ کرو۔ جیسے وہ کریں
ویسے ہی تم بھی کرو۔ اور اگر اس کو تسلیم نہ کیا جائے۔ تب بھی یہ خود
کفار ہی کی شامت اعمال کا نتیجہ ہے۔ جہاد کا اصل مقصد نہیں ہے۔

چنانچہ ایک دوسری آیت میں اس کی تصریح کر دی گئی ہے جہاں ارشاد ہے کہ۔

فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ط (الآیتہ)

یعنی جو شخص تم پر زیادتی کرے تم بھی اسی کی مثل زیادتی کر سکتے ہو لیکن اس سے زیادہ تجاوز کرنے میں خدا سے ڈرو۔ کیونکہ خدا پرہیزگاروں ہی کے ساتھ ہے۔

جہاد کا مقصد اعلیٰ و غایتِ عظمیٰ

لیکن تمام قرآن مجید میں جہاد پر حرب کا اطلاق نہیں کیا گیا۔ صرف چھ جگہ حرب کا لفظ آیا ہے۔ حالانکہ تمام قرآن کریم جہاد کی ترغیب و تحریص سے بھرا پڑا ہے۔ اب چھ مقامات کا ملاحظہ فرمائیں۔ کہیں جہاد نہیں ملاحظہ ہو:

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ، (الآیتہ)

جن لوگوں نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے اور ان میں پھوٹ ڈالنے اور خدا اور رسول کے دشمن کی گھات لگانے اور اپنے کفر کو ظاہر کرنے کے لئے مسجد بنائی ہے۔

اس آیت میں حَرَبَ کا استعمال کیا گیا ہے لیکن اس کا جہاد اسلامی سے کوئی تعلق نہیں۔ ایک عرب تھا ابو عامر راہب جس کی ریاست

مذہبی کو آنحضرتؐ کی بعثت سے صدمہ پہنچا تھا۔ اس نے اپنے عز و جاہ کو قائم رکھنے کے لئے متعدد لڑائیاں کی تھیں۔ چنانچہ آیت میں حٰرِبَ قبلُ کا لفظ خود اس پر دلالت کرتا ہے۔ لیکن جب قبیلۂ ہوازن نے شکست کھائی تو وہ شام کی طرف بھاگ نکلا اور پھر وہاں سے منافقین مدینہ کو پیغام بھیجا کہ تم ایک مسجد بنا کر وہاں اپنا اکٹھ کرو اور آلاتِ جنگ بھی فراہم کرو۔ میں قیصر روم سے مدد لے کر آتا ہوں اور محمدؐ کو مدینہ سے نکال کر دم لوں گا۔ چنانچہ اس کے ایما پر مدینہ میں منافقین نے ایک مسجد بنائی۔ جو بعد میں آنحضرتؐ نے گرا کر جلا دی تھی یہاں اسی کا ذکر ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس جنگ کا مقصد محض بغض و انتقام، خدع و فریب۔ ظلم و عدوان اور طلب ریاست تھا جس پر حرب کی حقیقت لغویہ بالکل منطبق ہوتی ہے۔ اس لئے قرآن مجید نے اس لفظ کو اس کے صحیح مفہوم لغوی کے مطابق استعمال کیا ہے نہ کہ جہاد کے لئے۔ اس کا جہاد سے دور کا تعلق بھی نہیں ہے۔

(۲) اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ

جو لوگ خدا اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور ملک میں فساد پھیلاتے ہیں ان کی سزا یہ ہے کہ وہ قتل کر دئے جائیں یا ان کو پھانسی دی جائے یا ان کے ایک ایک دائیں بائیں ہاتھ پاؤں کاٹ

اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ (الآیۃ)

دیے جائیں یا جلاوطن کر دیے جائیں یہ دینوی ذلت ورسوائی ہے اور آخرت میں بھی ان کے لئے بڑا عذاب تیار ہے۔

یہاں قاتلین نوع الثانی۔ مفسدین فی الارض۔ غارتگران امن واخلاق اور راہزنوں وڈاکوؤں کا ذکر ہے۔ اور لوٹ مار۔ قتل وغارت حرب کے مفہوم میں داخل ہی ہے۔ اس لئے یہ آیت پہلی سے بھی زیادہ واضح ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰۤوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

مسلمانو! خدا سے ڈرو اور جو رقم سود کی تمہاری اوروں پر باقی ہے اگر تم مسلمان ہو تو اس کو چھوڑ دو۔ اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول کا تمہارے ساتھ اعلان جنگ ہے:

یہاں اللہ تعالیٰ نے بے شبہ اپنے اور اپنے رسول کی طرف حرب کا انتساب کیا ہے۔ لیکن جہاد یہاں بھی مراد نہیں۔ خود مفسرین کو یہ شبہ ہے کہ مسلمانوں سے یہ طرز خطاب بظاہر صرف کلام میں زور پیدا کرنے کا ایک طریقہ ہے۔ لیکن یہ کیوں ضروری سمجھ لیا گیا ہے کہ اسلام کی ہر جنگ مقصد جہاد ہی پر مشتمل ہو بلکہ سیاسی حیثیت سے فوائد دینویہ بھی اس کا مقصد ہو سکتے ہیں۔ اور اس لحاظ سے یہ لفظ بھی اس جنگ کی حقیقت لغویہ پر منطبق ہو سکتا ہے۔ سود خوری ایک قسم کی راہزنی ہے اور ہر

سود خور ایک قسم کا ڈاکو ہے۔ جو بندگانِ خدا کے مال کو بلا معاوضہ لوٹ لیتا ہے۔ اس لئے خدا نے فرمایا جس طرح تم غریبوں کا مال لوٹ رہے ہو ہم بھی اسی طرح تمہارا مال لوٹ کر ان کو واپس دلائیں گے۔ اور یہی حرب کے معنی ہیں۔ پس حرب کا لفظ یہاں اپنی حقیقتِ لغویہ پر بولا گیا ہے اور اس میں کوئی استعارہ مجاز نہیں۔ نہ اور نہ اس کو جہاد سے ذرہ بھی کوئی تعلق و مس ہے۔ تاکہ خواہ مخواہ تاویل کی ضرورت پیدا ہو۔

(۴) و القینا بینھم العداوۃ والبغضاء الی یوم القیمۃ کلما اوقدوا نارا للحرب اطفاھا اللہ و یسعون فی الارض فسادا و اللہ لا یحب المفسدین۔ (الآیۃ)

ہم نے یہود و نصاریٰ میں قیامت تک کے لئے باہمی دشمنی ڈال دی ہے جب بھی وہ آتش جنگ بھڑکاتے ہیں تو خدا اس کو بجھا دیتا ہے مگر وہ دنیا میں فساد پھیلاتے ہیں اور اللہ فسادیوں کو پسند نہیں کرتا۔

یہ آیت کسی تاویل کی محتاج نہیں۔ یہ یہود و نصاریٰ کے متعلق ہے انھوں نے باہم جو لڑائیوں کا سلسلہ قائم کر رکھا تھا اس کا سبب بغض و انتقام اور شر و فساد تھا جس پر لغوی حیثیت سے یہ لفظ دلالت کرتا ہے۔ بایں ہمہ خدا نے اس کو پسند نہیں کیا اور اس مشتعل آگ کو بجھا دیا کلما اوقدوا نارا للحرب اطفاھا اللہ اب یہ آگ پھر مسیحی دنیا میں اس اعلان الٰہی کی تصدیق دائمی کو محکم تر کرتی ہوئی مشتعل ہو گئی ہے۔

(۵) اَلَّذِیْنَ عَاهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِیْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا یَتَّقُوْنَ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِی الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ یَذَّكَّرُوْنَ (الآیۃ)

وہ لوگ جن سے تم نے عہد کیا مگر وہ ہر مرتبہ اپنے عہد کو توڑ دیتے ہیں اور خدا سے بالکل نہیں ڈرتے سو تم اگر ان کو جنگ میں پاؤ تو چاہیئے کہ ان پر خوب دباؤ ڈالو تاکہ جو لوگ ان کے پیچھے ہیں ان کو بھی بھاگنا پڑے اور نصیحت حاصل کریں۔

یہ آیت قبیلۂ بنو قریظہ کے متعلق ہے۔ جنھوں نے اسلام کے ساتھ متعدد مرتبہ معاہدہ کر کے عہد شکنی کی تھی اور تمام قبائل عرب کو آنحضرت صلعم کے ساتھ جنگ پر آمادہ کر دیا تھا۔ آیت میں حرب سے، وہی حرب مراد ہے جو ان کی ریشہ دوانیوں کا نتیجہ تھی۔ اور یہ ظاہر ہے کہ انھوں نے جو لڑائیاں قائم کرائی تھیں ان کا سبب صرف بغض و عداوت اور شر و فساد تھا۔ اس لئے یہاں بھی حرب سے مراد جہاد اسلامی نہیں ہے بلکہ حرب کی وہی حقیقت لغویہ شنیعہ و ملعونہ مراد ہے جس کا جہاد اسلامی سے دور کا واسطہ بھی نہیں ہے۔

فَاِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً

جب تمہارا اور کفار کا جنگ میں مقابلہ ہو تو ان کی گردن اڑا دو۔ یہاں تک کہ جب خوب خونریزی ہو چکے تو ان کو غلام بنا لو۔ اس کے بعد یا تو احسان

حَتّٰی تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا (الآیۃ)	ان کو چھوڑ دیا فدیہ لے کر رہا کر دو یہاں تک کہ لڑائی اپنے ہتھیار ڈال دے یعنی موقوف ہو جائے۔

اس آیت میں بے شبہ جہاد اسلامی پر حرب کا اطلاق کیا گیا ہے لیکن تشریح و توضیح کے بعد معلوم ہو گا کہ یہی آیت جہاد اسلامی کا مقصدِ وحید ہے اور جہاد کی حقیقتِ مقدسہ اسی نقطہ میں مضمر ہے۔ چنانچہ اس کی تشریح آگے آتی ہے۔

یورپ نے اگرچہ فطرت کے تمام رازہائے سربستہ فاش کر دیئے مگر وہ اب تک التوحید فی التثلیث اور التثلیث فی التوحید کی گرہ نہیں کھول سکا۔ لیکن اسلام اَلسَّلَامُ فِی الْحَرْبِ وَالْحَرْبُ فِی السَّلَامِ کے عقدہ لاینحل کو حل کر سکتا ہے۔ یعنی امن و صلح میں جنگ اور جنگ میں امن و صلح۔ مگر اس مسئلہ میں ہمیں پہلے یورپ کے کارنامۂ اعمال پر نظر ڈالنی چاہیئے۔ اسلام نے امن و صلح کا جو دورِ جدید قائم کر دیا تھا، دنیا کی سبعیت اور بہیمیت نے اگرچہ اس کو جنگ اور خون ریزی میں بدل دیا ہے۔ لیکن بایں ہمہ کبھی کبھی سیاسی مصالح سے اس فراموش شدہ حقیقت کا نام زبانوں پر آہی جاتا ہے اور اس بھولے ہوئے خواب کی یاد تازہ کر لی جاتی ہے۔ انہی مصالح سے پچھلے دنوں بہ مقام ہیگ ایک عجیب و غریب مجلس صلح کا انعقاد ہوا تھا جس کا نام اربابِ سیاست نے "ہتھیار بند صلح" رکھا تھا عرب کے

ایک شاعر نے کسی قبیلہ کی ہجو میں کہا تھا کہ وہ نہ مرد ہیں نہ عورت
جس طرح شتر مرغ کہ نہ چڑیا ہے نہ اونٹ۔ اسی طرح اس صلح کی حقیقت
بھی اگرچہ مشتبہ ہے ...... لیکن ہم فرشتۂ امن کے بجائے شتر مرغ
کے پر کے سایہ میں بھی زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ تاہم اس کے بعد کے خونیں
واقعات نے ثابت کر دیا کہ یہ شتر مرغ بھی بعض خاص موسموں ہی
میں اپنا سایہ ڈال سکتا ہے۔ تاہم جنگ و صلح کی اس آمیزش نے
دنیا کے لئے یہ نہایت دلچسپ سوال پیدا کر دیا ہے کہ کیا جنگ کا
خاتمہ ہو سکتا ہے؟ کیا جنگ کی تپش میں تپتے ہوئے چہروں پر کبھی
دائمی صلح کا ظل انعام اپنا سایہ ڈال سکتا ہے۔ یورپ کے بڑے بڑے
ارباب حل و عقد نے اس سوال کا جواب مختلف طریقوں سے دیا ہے
لیکن ایک صلح پسند شخص کے لئے ان میں ایک جواب بھی تسکین بخش
نہیں۔ ہاں دنیا کو صلح و آشتی کے وسائل فراہم کرنے کی کوشش
کرنی چاہیئے۔ لیکن ہر صلح بھی پسندیدہ نہیں ہو سکتی۔ دنیا میں بہت سے
ظالم ایسے پیدا ہو گئے ہیں جن کا سینہ تنگ فتح کا ایک ہولناک میدان ہے
لیکن وہ اس میدان کو صلح کا خوش نما سبزہ زار کہتے ہیں۔ بہت سے
لوگ بزدلی، ضعف عزیمت اور مکر و فریب کو بھی صلح کے پردے میں
چھپا رہے ہیں۔ اس لئے ہمارا فرض ہے کہ اپنے آپ کو اس صلح سے
الگ رکھیں۔ جو صلح ظلم اور بزدلی سے ہوتی ہے۔ تاہم ظالمانہ لڑائیاں
بہت اور ظالمانہ صلح کم ہیں۔ لیکن دونوں کی دونوں قابل نفرت ہیں۔)

یہ لارڈ اوبری مرجان لیبک کی رائے ہے......

(مجھے صلح کی توقع بہت ہے۔ خود ہم انگریز اپنے بحری و بری مصارف جنگ کو بڑھا کر دنیا کے سامنے جنگ کی تیاری کا بدترین نمونہ پیش کر رہے ہیں) سر فریڈرک پولاک نے اپنے وسیع قانونی تجارب کی بنیاد پر جو ان کو زمانہ حج میں حاصل ہوئے ہیں یہ رائے قائم کی ہے (عام خیال ہے کہ سلطنتوں کے جھگڑے بھی شخصی نزاعوں کے مثل ہیں۔ اس لئے حَکَم کے ذریعہ اس کا فیصلہ ہو سکتا ہے۔ لیکن سلطنتوں کی اکثر حالیتں اشخاص سے مختلف ہوتی ہیں۔ مثلاً باہمی معاہدوں کی دفعات کی تشریح یا ان کی خلاف ورزی کا فیصلہ عدالتوں اور ثالثوں کے ذریعہ سے نہیں ہو سکتا۔ سب سے بڑا مسئلہ سیادت و اقتدار کا ہے۔ جس کو ایک سلطنت کسی ملک پر قائم کرنا چاہتی ہے۔ ان تمام باتوں کا فیصلہ صرف تمام سلطنتوں کے اتفاق و اتحاد ہی سے ہو سکتا ہے اور اس اتحاد کو اس قوت سے زیادہ مضبوط و مستحکم ہونا چاہیئے جو اس کی حریف بن کر اس کا مقابلہ کرنا چاہتی ہے۔ پھر یہ اتفاق بھی صرف چھوٹی چھوٹی لڑائیوں کو روک سکتا ہے۔ وہ عظیم الشان سلطنت جو دوسری سلطنت کو حقارت سے دیکھتی ہے یا کہ اس کو اپنے ساتھ ملا لینے کی قدرت رکھتی ہے اس اتفاق کی بھی پرواہ نہیں کر سکتی۔)

سر تھلبرٹ بارکر صاحب نے دلیری سے صلح کانفرنس کے خلاف اپنی یہ رائے ظاہر کرتے ہیں .... اس کے اپنا خیال ذیل کے الفاظ

یں ظاہر کرتے ہیں، سنیئے کہ:

"میں صلح کی خوشنما امیدوں سے اپنا دل بہلا نہیں سکتا واقعات ہم کو ایک عظیم الشان جنگ کی دھمکی دے رہے ہیں۔ جب تک کہ وحشت موجود ہے اور جب تک غیر مکمل طور پر تہذیب یافتہ قومیں سطح زمین پر آباد ہیں تو اتفاق و اتحاد ناممکن ہے۔ ہم کو خدا پر بھروسہ کر کے اپنے بارود کو خشک رکھنا چاہیئے۔"

مسٹر آئزک امریکہ کے ایک مشہور سیاسی فیلسوف ہیں۔ ان کی رائے اور عنا کا خوشنما سبزہ زار ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں:

"دائمی صلح آسان نہیں۔ بعض لڑائیاں قانون ارتقا کے ثابت شدہ اصول "تنازع للبقاء" کے لئے کی جاتی ہیں۔ نو آبادیوں کے لئے صرف اسی غرض سے لڑائیاں قائم ہوتی ہیں کہ انسان پر اپنے ملک کا دائرہ تنگ ہو جاتا ہے اور وہ دوسری قوموں کو دھکیل کر آگے بڑھنا چاہتا ہے کیونکہ اس کے بغیر اس کی زندگی ممکن ہی نہیں۔ بعض لڑائیاں استبداد اور استقلال کے لئے برپا ہوتی ہیں۔ جن کی تحریک صرف ظلم کرتا ہے بعض لڑائیاں تہذیب و تمدن کے استحکام کی غرض سے قائم کی جاتی ہیں۔ اگر وحشت و بہیمیت اپنے انتہائی درجہ تک پہنچ گئی ہے تو اس قسم کی لڑائیاں دنیا کی سعادتِ عظمیٰ کے لئے مبارک فال ہوتی ہیں اس کے علاوہ جہالت اور جذبات کا جوش بھی کلیتاً نہیں روکا جا سکتا۔ پس اگرچہ جنگ کا انسداد بھی محال ہے تاہم ہر انگریز ہر فرنچ ہر امریکن

ہر جرمن اب لڑائی کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور اس کی طرف اپنا میلان نہیں ظاہر کرتا۔ میری بڑی خواہش ہے کہ جنگ سے علیحدگی اختیار کی جائے۔ مگر یہ منزل ابھی بہت دور ہے۔ بہت سے مسائل ثالثی کے ذریعہ حل ہو سکتے ہیں لیکن آگے بڑھنے والے اقتدار و نفوذ کو کون روک سکتا ہے۔ ہر طاقت ور حکومت دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش میں ہے۔ صلح و آشتی کی یہ آخری آرزو تھی جس کو یورپ کے ترقی یافتہ ذہنیت نے انجام دیا۔ لیکن اس کا یہ فرشتہ یورپ سے نکل کر بلقان۔ طرابلس اور ایران کا دورہ کر چکا ہے اور اب خود اپنے مستقر یورپ کے تخت جلال کا پایہ پکڑ کر دنیا کو اپنا زخمی چہرہ دکھا رہا ہے

وحملت الارض والجبال فدکتا دکۃ واحدۃ فیومئذ وقعت الواقعۃ، وانشقت السماء فھی یومئذ واھیۃ

یعنی پہاڑ اور زمین اٹھا کر ایک ساتھ ٹپک دیے گئے اور وہ دفعتہً چور چور ہو گئے۔ پس آج ہی کے دن قیامت کا سب سے بڑا ہیبت ناک دن آگیا۔ آسمان پھٹ پڑے ہیں اور اس کی چولیں ڈھیلی ہو گئی ہیں۔ پس یہی نقشہ جو قرآن نے کھینچا ہے آج دنیا کے بحر و بر پر صادق آرہا ہے۔

مگر اسلام نے جنگ کے ذریعہ دنیا سے جنگ کا خاتمہ کر دیا۔ خلاصۂ کلام یہ کہ جہاد اسلامی کا مقصد خون سے خون ہی کے دھبوں کو دھونا اور جنگ سے جنگ ہی کا خاتمہ کرنا تھا تاکہ تمام دنیا میدان جنگ

کی آغوشِ صلح میں اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کر سکے فی الحقیقت
اس آخری آیت میں قرآن نے صاف صاف اپنی جنگ کا مقصد
بتا دیا کہ وہ صرف جنگ ہی کے روکنے کے لئے کی جاتی ہے کیونکہ
فرمایا ر جنگ اس وقت تک کیجاؤ جب تک کہ جنگ ختم نہ
ہو جائے ۔ یہ اسی طرح ہے جیسے کوئی کہے کہ صحت نے اپنے
ہتھیار ڈال دئے یعنی صحت کا بالکلیہ خاتمہ ہو گیا ۔ یا کہا جائے کہ
میری ہمت نے ہتھیار ڈال دئے یعنی ہمت بالکل نہ رہی ۔ ایسے ہی
یہاں بھی یہ معنی ہوں گے کہ لڑائی اپنے ہتھیار ڈال دے یعنی بالکل
نہ رہے اور دنیا سے اس کا خاتمہ ہو جائے ؛

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ط

باب دوم

رسوم و علائم

جہاد اسلامی کی حقیقت جن مقاصد پر مشتمل ہے اس کے لحاظ سے وہ دنیوی لڑائیوں سے بالکل مختلف ہے۔ اور یہ اختلاف اس قدر بدیہی ہے کہ ہم کو اس کی ظاہری شکل کے ایک خط و خال کے اندر نمایاں طور پر نظر آ سکتا ہے۔ ایک فاتح جب ملک گیری کے ارادہ سے میدان جنگ کا رخ کرتا ہے تو طبل و دہل کے غلغلے اور قرناء و برق کے ترانے خیر مقدم بجا لاتے ہیں۔ سر پر پرچم لہراتا ہے۔ چتر شاہی آفتاب کی شعاعوں کو بھی اس کی طرف نگاہ کرم سے دیکھنے نہیں دیتا۔ جاہ و جلال کا یہ دیوتا میدان جنگ میں ایک مجسمہ کی طرح کھڑا کر دیا جاتا ہے اور تمام فوج اسی مرصع بت کے گرد طواف کرنے لگتی ہے عظمت و جبروت کا یہ منظر دنیا کو دفعتًا مرعوب کر دیتا ہے اور اس رعب و داب کے احساس سے اس دنیوی فاتح کا سر بادۂ کبر و نخوت سے لبریز ہو جاتا ہے یہاں تک کہ خاک و خون میں مل کر بھی یہ نشہ نہیں اترتا۔ اگر کوئی اس سر پر غرور کو ٹھکرا دیتا ہے تو اس سے مغرورانہ صدا بلند ہوتی ہے کہ

زمین را منم تاج تارک نشیں
مجنباں مرا تا نہ جنبد زمیں

لیکن ایک پیغمبر کی حالت اس سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔ وہ گھر سے جب نکلتا ہے تو اگرچہ مخلصین و مومنین کی ایک جماعت اس کے ساتھ ہوتی ہے۔ لیکن وہ اپنا رفیق سفر صرف خدا کو بتاتا ہے۔

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَافَرَ قَالَ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ وَالْخَلِيْفَةُ فِي الْاَهْلِ اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَعُوْذُ بِكَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَكَآبَةِ الْمُنْقَلَبِ وَسُوْءِ الْمَنْظَرِ فِي الْاَهْلِ وَالْمَالِ۔ اَللّٰهُمَّ اطْوِ لَنَا الْاَرْضَ وَهَوِّنْ عَلَيْنَا السَّفَرَ

(الحدیث)

آں حضرت صلعم جب بغرض جہاد روانہ ہوتے تھے تو یہ دعا کرتے تھے: خدایا تو ہی ہمارا رفیق سفر ہے تو ہی ہمارے بال بچوں میں ہمارا قائم مقام ہے۔ خدایا سفر کی شدائد اور پلٹ کر اہل و عیال کو برے حال میں دیکھنے کی مصیبت سے پناہ مانگتا ہوں خدایا مسافت سفر کو کم کر دے اور ہمارے لئے آسان بنا دے۔ (الحدیث)

وہ سواری کی پشت پر قدم رکھتا ہے تو خدا کا شکر بجا لاتا ہے اور اس کے ورد زبان یہ ہوتا ہے کہ

سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِيْنَ ۔ (الآیہ)

ترجمہ: کیا پاک و برتر ہے وہ خدا جس نے اس جانور کو ہمارا فرمانبردار بنا دیا ورنہ ہم اسکی قدرت نہیں رکھتے

وہ سفر سے پلٹتا ہے تو راہ میں خدا کی حمد کا ترانہ گاتا ہوا پلٹتا ہے اور اس کا ترانہ یہ ہوتا ہے کہ

آئبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ (الحدیث)	ہم توبہ کر کے لوٹتے ہیں ہم خدا کی عبادت کرنیوالے بندے ہیں اور ہم اپنے خدا کی حمد و ثنا کرنے والے ہیں

پہاڑ کی چوٹیوں پر چڑھتا ہے تو غلغلۂ تکبیر بلند کرتا ہے۔ نیچے اترتا ہے تو ترنم ریز تسبیح و تہلیل ہوتا ہے۔ فوج کو روانہ کرتا ہے تو اس کو نہ غرورِ طاقت کی یاد دلاتا ہے نہ جوش کو دو آتشہ کرتا۔ نہ قدیم کارنامہ ہائے شجاعت کا تذکرہ کر کے اس کے دل کو گرماتا ہے۔ بلکہ اس کے دین کو اس کی امانت کو، اس کے تمام نتائجِ اعمال کو خدا کے سپرد کر کے رخصت کر دیتا ہے۔

استودع اللّٰہ دینکم و امانتکم و خواتیم اعمالکم (الحدیث)	میں تمہارے دین، تمہاری امانت اور تمہارے نتائجِ اعمال کو خدا کے سپرد کر کے تم کو خدا کی راہ میں جہاد کے لئے بھیجتا ہوں۔

وہ جب منزل پر اترتا ہے تو نہ سلاطین کی طرح اس کے لئے خیمے قائم کئے جاتے ہیں، نہ فرش و بساطِ شاہانہ سے زمین آراستہ ہوتی ہے اور نہ میدان کا نشیب و فراز ہموار کیا جاتا ہے۔ وہ خدا کا نام لے کر فرشِ خاک پر لیٹ جاتا ہے۔ اور اس نام کی عظمت کے سہارے پر

زمین ہی کو اپنی حفاظت کی خدمت سپرد کر کے اطمینان و آرام سے سو جاتا ہے۔

یا ارض ربی و ربک اللہ اعوذ	اے زمین میرا اور تیرا دونوں کا خدا
باللہ من شرک و شر ما فیک	ایک ہی ہے۔ میں تیرے شر سے تیری
و شر ما یدب علیک	سطح باطنی کے شر سے اور تجھ پر چلنے
(الحدیث)	والوں کے شر سے پناہ مانگتا ہوں۔

وہ سفر جہاد سے پلٹ کر گھر پہنچتا ہے تو سب سے پہلے اس کو خدا کا گھر یاد آتا ہے اور مسجد میں جا کر دو رکعت نماز ادا کرتا ہے۔ جب اس کو فتح و ظفر کی خبر ملتی ہے تو نہ تو اس کے سامنے شادیانے بجائے جاتے ہیں نہ جشن شاہانہ کی تیاریاں کی جاتی ہیں۔ نہ عیش و طرب کے ترانے گائے جاتے ہیں۔ وہ صرف اپنے خدا کے آگے سر بسجود ہو جاتا ہے اور سجدۂ شکر بجا لاتا ہے۔ اس کو جب مشیت ایزدی سے شکست ہوتی ہے تو وہ فوج کو بالکل جوش و غیرت نہیں دلاتا۔ بلکہ خدا ہی کی غیرت کی سلسلہ جنبانی کرتا ہے کیونکہ اپنی فوج کو خدا کی فوج یقین کرتا ہے اور فتح و شکست دونوں اسی کی طرف سے سمجھتا ہے۔

کان یقول یوم احد اللھم	آپ معرکۂ احد کے دن کہتے تھے خدایا
انک ان تشا لا تعبد	کیا تو چاہتا ہے کہ اب نہیں ہیں تیری
فی الارض (الحدیث)	عبادت کرنے والا کوئی نہ چھوڑے

وہ اپنی فوج کی قلت اور دشمن کے لشکر کی کثرت کو دیکھتا ہے تو

صرف رحمت آسمانی ہی سے مدد طلب کرتا ہے اور کسی دنیوی طاقت
کے آگے دست سوال نہیں پھیلاتا۔ اس لئے کہ وہ نصرت صرف
اللہ ہی کی طرف سے یقین کرتا ہے۔

لما كان يوم بدر نظر
رسول الله صلى الله عليه
وسلم وبارك الى المشركين
وهم الف واصحابه ثلاث
مائة وتسعة عشر رجلا
فاستقبل القبلة ثم مد يديه
فجعل يهتف بربه اللهم
انجز لي ما وعدتني اللهم آت ما
وعدتني اللهم ان تهلك هذه العصابة
من اهل الاسلام لا تعبد
في الارض فما زال يهتف بربه
مادا يديه مستقبل
القبلة حتى اسقط رداءه
عن منكبيه فاتاه ابو بكر فاخذ
رداءه فالقاه على منكبيه ثم
التزمه من ورائه

بدر کے دن جب آنحضرت صلعم نے
مشرکین کی طرف دیکھا اور آپ کو
نظر آیا کہ ان کی جمعیت ایک ہزار کی
ہے اور مسلمان صرف تین سو انیس ہیں
تو آپ قبلہ کی طرف متوجہ ہو گئے اور
دونوں ہاتھوں کو پھیلا کر خدا کو پکارنا
شروع کیا۔ خدایا تو نے مجھ سے فتح
و ظفر کا جو وعدہ کیا ہے اس کو پورا
کر۔ خدایا اگر مسلمانوں کا یہ مختصر
گروہ فنا ہو گیا تو پھر تیری عبادت
کرنے والا کوئی نہ رہے گا وہ اسی
طرح ہاتھ پھیلا کر مسلسل پکارتے
رہے یہاں تک کہ جوش استغراق
میں ان کے دوش مبارک سے چادر
گر گئی۔ حضرت ابوبکر نے آپ کے اس
تضرع و الحاح کو دیکھا تو پاس آئے

وقال یا نبی اللہ کفاک مناشدتک ربک فانہ سینجز لک ما وعدک (الحدیث مسلم)

اور چادر اٹھا کر آپ کے کاندھے پر ڈال دی پھر پیچھے سے آکر آپ سے لپٹ گئے اور کہا یا رسول اللہ صلعم آپ اپنی مناجات ختم کیجئے خدا نے آپ سے جو وعدہ کیا ہے اسکو بہت جلد پورا کریگا

میدان جنگ میں اس کو شدید زخم لگتا ہے تو اس حالت میں یہ کہہ کر خاموش ہو جاتا ہے کہ

رب اغفر لقومی فانہم لا یعلمون (الحدیث)

خدایا میری قوم کو معاف فرما کیونکہ وہ لوگ حق کو جانتے نہیں ہیں۔

لیکن جب اس کے ہاتھ سے جہاد کا اصل مقصد فوت ہو جاتا ہے تو وہ از فرق تا بقدم غضب و قہر الٰہی کا پیکر جلال و جبروت بن جاتا ہے تو پھر اس کی زبان رحمت آثار آگ کے شعلے برساتی ہے۔

ملاء اللہ قبورہم نارًا کما شغلونا عن الصلوٰۃ الوسطیٰ۔

خدا کفار کی قبروں کو آگ سے بھر دے کیونکہ انھوں نے ہماری نماز عصر قضا کرادی۔

قصہ مختصر۔ ایک فاتح میدان جنگ میں سر بکف نبرد، مگر ایک پیغمبر جبین نیاز ہوتا ہے۔ ایک بادشاہ میدان جنگ میں زبان خود ستا مگر داعی حق زبان شکر سنج ہوتا ہے۔ ایک بادشاہ میدان جنگ میں غیظ و غضب کا آتش کدہ۔ مگر ایک منادی توحید و کرم کا سرچشمہ ہوتا ہے۔

ان دونوں متضاد حالتوں کا انجام بھی نہایت مختلف اور عبرت خیز ہے۔ بادشاہوں کے سر پر غرور بار بار ٹھکرا دیئے گئے۔ مگر کسی مؤیدہ من اللہ کی جبین نیاز خاکِ مذلت سے آلودہ نہ ہوئی۔ بادشاہوں کی زبانِ حمد متنا بارہا ذلت کے ساتھ خاموش کر دی گئی۔ مگر کسی داعی الہٰی کا نغمۂ حمد و شکر کبھی بھی چپ نہ ہوا۔ بادشاہوں کے غیظ و غضب کے شعلے بارہا بجھا دیئے گئے ہیں مگر کسی پیغمبر کے دریا سے کرم کو دنیا کے خس و خاشاک نہ روک سکے۔

ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین ۔ انھم لھم المنصورون ۝ وان جندنا لھم الغالبون (الآیۃ)	ہم نے پہلے سے یہ بات ٹھہرا دی ہے کہ ہمارے بندے پیغمبر یقیناً امداد کیے جائیں گے اور یہی ہماری فوجیں آخر کامیاب ہوا کریں گی۔

غرض ابتدا۔ انتہا اور درمیان تینوں منظر اپنی بوقلموں دوری و بُعد اور اپنے عجیب و غریب تباین و تضاد میں نمایاں اور واضح ہیں — یہ حقیقت اتنی روشن و آشکارا ہے کہ اب اس پر کسی مزید تشریح و تفصیل کی ضرورت ہی نہیں۔ ایک حقیقت اپنی جگہ حقیقت ہے خواہ اس پر کتنے ہی پردے کیوں نہ ڈال دیئے جائیں۔ آخر وہ سب پردوں کو چاک کر کے سامنے آجاتی ہے۔

ایک فاتح کی ابتداء جنگ کبر و غرور۔ نخوت و بطر کی نمایش سے

ہوتی ہے۔ لیکن ایک داعی حق کی افتتاح عجز و درماندگی۔ انکسار و تواضع اور اپنے خالق کے سامنے گریہ و زاری سے ہوتی ہے۔ ایک فاتح کشور کشا میدانِ جنگ میں خونخوار بھیڑیا اور انسان خوددرندہ ہوتا ہے وہ جب کسی ملک و قوم کو فتح کر لیتا ہے تو اس کا اس ملک میں داخلہ اس انقلاب کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔

اِنَّ الْمُلُوْکَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْیَۃً اَفْسَدُوْھَا وَجَعَلُوْا اَعِزَّۃَ اَھْلِھَا اَذِلَّۃً (الآیۃ)	"کشورستان بادشاہ جب کسی آبادی میں فاتحانہ داخل ہوتے ہیں تو وہاں رہنے والوں میں سے عزت والوں کو ذلیل اور ذلیلوں کو عزیز کر دیتے ہیں

اس کا داخلہ خون کی ندیاں اور تڑپتی لاشوں۔ خانماں برباد بیواؤں یتیموں کے آنسوؤں۔ مظلوموں، بے کسوں کی آہ و بکا کے غلغلوں و نوحہ خوانیوں۔ تڑپتی ہوئی لاشوں۔ موت و ہلاکت کی ندیوں۔ اجاڑ آبادیوں برباد ویرانوں۔ تباہ حال عورتوں۔ برباد شدہ بچوں و پامال بوڑھوں کی آہ و فغاں کی نغمہ سنجیوں کا باعث ہوتا ہے۔ اس کا داخلہ ایک قہر الٰہی ہوتا ہے۔ غضب خداوندی کا ایک مظہر ہوتا ہے۔ جو انسان صورت درندہ خونخوار بن کر انسانوں کو چیرتا پھاڑتا ہے۔ جو اپنی مفتوح قوم کو زندگی کی جگہ موت و ہلاکت۔ آزادی کی جگہ اسیر و غلامی۔ نشاط و عیش کی جگہ غم و الم اور اطمینان و سکون کی جگہ پریشانی و بے قراری دیتا ہے مگر ایک منادیٔ حق کا داخلہ اس ملک اور قوم کے لئے خدا کی رحمت

ہوتا ہے۔ وہ ان کو غلامی کی جگہ آزادی، موت کی جگہ زندگی اور بدحالی کے بدلے خوشحالی۔ جہالت کے بدلے علم درندگی کے بدلے انسانیت۔ مصائب و آلام کے بدلے آرام و راحت۔ اضطراب و پریشانی کے بدلے اطمینان و سکون بخشتا۔ پھر انجام کو دیکھئے کہ ایک فاتح کشور کشا کا انجام کیا، یا خونخوار درندگی اور پھر ذلت و رسوائی۔ مگر ایک پیغمبر اور داعی حق و عدل کا انجام کیا اپنے خالق کی رضا و خوشنودی ہوتی ہے اور یا اس کے ساتھ دنیا کی فتح و ظفر اور عزت و آبروئی اس کو نصیب ہوتی ہے احدی الحسنیین کا وہ مستحق قرار پاتا ہے۔ (۲)

باب سوم

فاتح اور مجاہد

فاتح اور مجاہد کا داخلہ ممالک مفتوحہ میں

اب ہم آپ کو پچھلی فتوحات نبوی کے مناظر کے بعد فاتح افواج کا داخلہ ممالک مفتوحہ میں دکھاتے ہیں۔ دیکھئے کہ یہ داخلہ کن نتائج و عواقب کا حامل تھا۔

تمہارے سامنے تمدن قدیم اور تمدن جدید دونوں کے مناظر موجود ہیں۔ روم و ایران سے بڑھ کر تمدن قدیم کا کونسا عہد ہوگا۔ لیکن شام و ایران اور کارتھیج میں تم دیکھ چکے ہو کہ روم کا تمدن کس ساز و سامان کے ساتھ داخل ہوا۔ سکندر نے ایران کا چپہ چپہ جلادیا اسی طرح ایرانیوں نے بابل میں داخل ہو کر خون کے سیلاب لاشوں کے ڈھیر اور منہدم عمارتوں کے کھنڈر اپنی یادگار چھوڑے اور ٹیٹس کی فاتح فوج جب یروشلم میں داخل ہوئی تو وہ انسانوں کا داخلہ نہ تھا بلکہ جنگل کے درندوں اور اژدہوں کا غول تھا۔ جس نے صرف چیر اور پھاڑ، اور زندگی اور آبادی کے لئے

ایک گوشہ بھی نہ چھوڑا۔ خدائی فرمان ثابت ہوا فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّیَارِ کے مصداق ۔۔۔ آبادیوں کو تہ و بالا کر دیا۔ یہ تمدن قدیم کے سب سے زیادہ ممتاز فرزند تھے۔ لیکن آج یورپ کے جدید تمدن کا بھی سب سے بڑا گھرانا ہمارے سامنے ہے ہم نہیں کہہ سکتے کہ اصلیت کیا ہے۔ مگر خود یورپ ہمیں یقین دلانا چاہتا ہے کہ بلجیم کے فاتح جب اس کی آبادیوں میں سے گذرے تو لووین کا دار العلوم تباہ ہو گیا۔ ریمز کے معبد مقدس کی دیواریں گرا دی گئیں۔ برسلز اور انٹورپ کی آبادی خوف و دہشت سے تھرا گئی اور وحشت و بربریت کا جو افسانہ ایران کے کھنڈر بیت المقدس کی دیواریں، کارتھیج کے تودے اور بابل کی بربادشدہ رونق سناتی تھی۔ وہ آج کئی ہزار برس بعد بجنسہ اسی طرح بلجیم کے اندر سنی جا سکتی ہے۔ اور تخالون اِنَّ الْمُلُوْكَ کا اعادہ کیا گیا اور جنگ کی حقیقت ثابتہ جَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً کا منظر دکھا کر تماشاگاہ عالم کو ایک دفعہ پھر محو حیرت کر دیا۔ اور جنگ ماہیت محکمہ اَفْسَدُوْهَا کو آشکارا کر کے دنیا کو آہ و فغاں کے غلغلوں سے گونجا دیا۔ اہل عزت، ذلیل اور ذلیل و پچھلے اہل عزت میں تبدیل کر دیے گئے۔

لیکن جب کہ تمام قدیم اقوام کا مفتوحہ ممالک میں داخلہ دیکھ چکے ہو اور جبکہ بیسویں صدی کے عصری تمدن و اسلام کی سب سے

بڑی قوم کی نسبت بھی جو کچھ تمہیں سنایا گیا ہے وہ تمہارے سامنے ہے تو آؤ دیکھیں اس قوم کا کیا حال ہے۔ جس سے گو آج دنیا کے مفتوحہ ومحکومہ ممالک آباد ہیں لیکن کبھی دنیا کے بحر وبر کے بڑے بڑے حصوں پر سے اس کے فاتحانہ سیلاب گذرا کرتے تھے۔

اس سلسلہ میں گذشتہ صفحات کے بیانات تمہارے ذہن میں محفوظ ہیں۔ تم وہ تمام احکام ووصایا سن چکے ہو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے ہمیشہ مجاہدین غزوات اسلام کو دئے تھے۔ تم نے عہد نبوت کی فاتح افواج اور مجاہدین کی اخلاقی حالت بھی دیکھ لی ہے کہ کس طرح ان میں کا ہر فرد عین جنگ کی حالت میں بھی ان احکام کی تعمیل کرتا تھا اور ایک ایک مجاہد اخلاق کی وہ عملی طاقت اپنے اندر رکھتا تھا جس کے لئے تیرہ سو برس کی مدنی ترقی کے بعد بھی آج سرزمین تمدن تشنہ و بیقرار ہے۔ لیکن درحقیقت تلاش وتفحص کے لئے صرف اتنا ہی کافی نہیں ہے۔ اسلام نے جنگ اور خون ریزی کی حقیقت بحرنہ کے اندر جو عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیا اس کے نتائج کا ذخیرہ اسقدر کم مایہ نہیں ہے کہ چند گھنٹوں کی صحبت کے بعد ختم ہو جائے اس کا وجود تو تمام عالم کیلئے رحمت تھا۔ وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (الآیۃ) یعنی ہم نے آپؐ کی بعثت کسی خاص عالم کے لئے نہیں مخصوص کی بلکہ آپ کو سب عالموں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ اسی لئے یہ ابر رحمت انسانی اعمال کے ہر گوشے پر برسا اور جنگ کی زمین شور بھی اس کی

آبیاری سے امن و سلامتی کے باغوں کی طرح سرسبز و شاداب ہو گئی پس ضرور ہے کہ ہماری فکر تفتیش دو ایک قدم آگے بڑھے اور اولاً عہد نبوت و عہد صحابہ کے مشہور و مسلمہ واقعات و فتوحات کے نتائج مطلوبہ تلاش کرے۔

رحمۃ للعالمین کا خیبر میں داخلہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے روانہ ہو کر جب خیبر کے قریب مقام صہباء میں پہنچے تو نماز عصر کا وقت آگیا اور آپ نے نماز پڑھی وہیں زادراہ بھی کھولا گیا۔ کھاتے پیتے میں مغرب کا وقت ہو گیا۔ نماز مغرب سے فارغ ہو کر آپ راتوں رات خیبر کی طرف روانہ ہو گئے اور کچھ رات رہے خیبر کے متصل پہنچ گئے۔ آپ کا عام معمول یہ تھا کہ رات کو کبھی حملہ کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ کیونکہ یہ نہایت بزدلی کی بات تھی اور بے خبری کے عالم میں دشمن کو قتل کر دینا اخلاق انسانی کی انتہائی موت ہے۔ چنانچہ آپ نے صبح کا انتظار کیا اور نماز کے بعد جنگ شروع ہوئی۔ خیبر ایک نہایت آباد اور شاداب مقام تھا۔ صحیحین کی روایت کے بموجب اگرچہ وہاں چاندی سونا زیادہ نہ تھا لیکن اسباب و سامان زراعت اور عمدہ عمدہ مویشی اور اونٹ بہت تھے۔ تمام مجاہدین اسلام کو آنحضرت کا شدت احتساب عسکری معلوم تھا۔ اس لئے غارت گری کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ عبداللہ بن مغفل نے ایک توشہ دان اٹھایا مگر

آپ کی نظر پڑ گئی تو فوراً پھینک کر الگ ہو گئے۔ بایں ہمہ آخر میں ایسا ہوا کہ بعض لوگ بے قابو ہو گئے اور مال و اسباب پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ خیبر کے مفتوح حبشیوں نے یہ حالت دیکھی تو ان کا ایک سردار جو نہایت مغرور اور سرکش تھا دوڑا آیا اور ایک گستاخانہ لب و لہجہ میں آنحضرت صلعم کو مخاطب کر کے پکارا، اور اس کے مغرورانہ طرز خطاب کو آپ نے قریب سے سنا۔

یا محمد الکم ان تذبحوا حمرنا وتاکلوا ثمرنا وتضربوا نساءنا	اے محمدؐ! کیا تمہیں یہ سزاوار ہے کہ ہمارے گدھوں کو ذبح کر ڈالو ہمارے پھلوں کو کھاؤ اور ہماری عورتوں کو مارو پیٹو

اگر کوئی دنیوی بادشاہ ہوتا تو اس گستاخی کا جواب زبانِ تیغ سے دیتا۔ لیکن جب آپ کو یہ حال معلوم ہوا تو آپ سخت برہم ہوئے اور ابن عوف سے فرمایا کہ جلد گھوڑے پر سوار ہو کر منادی کر دو۔ جنت صرف مسلمانوں ہی کے لئے حلال ہے نماز کے لئے جمع ہو جاؤ۔ صحابہ جمع ہوئے تو آپ نے پہلے ان کے ساتھ نماز پڑھی۔ پھر نہایت غصے کے لہجہ میں ایک خطبہ دیا جس کا لفظی ترجمہ یہ ہے:

"کیا تم میں سے کوئی شخص تختِ حکومت پر تکیہ لگائے ہوئے اور مغرورانہ بیٹھا ہوا یہ خیال کرتا ہے کہ صرف وہی چیزیں حرام ہیں جن کا ذکر قرآن مجید نے صراحتاً کر دیا ہے۔ اور قرآن نے صراحتاً مالِ غنیمت کو حرام نہیں کیا۔ اگر کسی کا یہ خیال ہے تو وہ بالکل غلط ہے۔ خدا کی قسم میں نے

بار بار تم کو نصیحت کی، حکم دیا اور بہت سی چیزوں سے روک دیا۔ جن میں ایک غارت گری بھی ہے۔ یاد رکھو میں جن چیزوں کو تم پر حرام کر دیتا ہوں تو وہ بھی محرامات قرآنیہ ہی ہیں اور قابلِ احتساب ہیں۔ خدا نے تمہارے لئے یہ ہر گز جائز نہیں کیا کہ تم بلا اجازت اہلِ کتاب کے گھروں میں گھس جاؤ اور ان کی عورتوں کو مارو پیٹو اور ان کے پھلوں کو کھاؤ۔ بچو۔ بچو۔ بچو۔"

(ابو داؤد)

بہرحال خیبر فتح ہوا تو یہودیوں نے درخواست کی کہ ہم زراعت کا کام آپ لوگوں سے زیادہ خوبی کے ساتھ انجام دے سکتے ہیں اس لئے ہماری زمین ہمیں کو دی جائیں اور سال میں نصف پیداوار ہم سے تقسیم کرالی جائے آنحضرت صلعم نے ان کے ساتھ اسی شرط پر مصالحت کرلی اور اس پر عمل درآمد شروع ہو گیا۔ جب پہلی فصل تیار ہوئی تو آپ نے حضرت ابن رواحہ کو پیداوار کے تقسیم کرانے کے لئے بھیجا۔ اور ان کو نصیحت فرمائی کہ ان لوگوں نے زمین میں محنت کی ہے وہ راضی رہیں ان کی رضا کا خاص خیال رکھنا۔ وہ آئے اور تخمیناً پیداوار کے دو حصے کر لئے اور ایک حصہ خود لے لیا۔ یہودیوں نے شکایت کی کہ یہ تو بہت ہے۔ انھوں نے کہا تو پھر ہمارا حصہ تم لے لو اور اپنا حصہ ہمیں دے دو۔ ایسا ہی کیا گیا۔ تو اس مساحت اور فیاضی سے تمام یہودی متاثر ہو کر پکار اٹھے کہ

هٰذَا هُوَ الْحَقُّ الَّذِي تَقُومُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ

اسی کا نام انصاف ہے اور آسمان اور زمین اسی سے قائم ہیں۔

واقعی کمال وہی ہے کہ مَاشَهِدَتْ بِهِ الْاَعْدَآءُ جس کی شہادت دشمن بھی دیں۔

مجاہدین کا مکہ میں داخلہ

اسلام نے ہر چیز کی اصلاح تدریج کی ہے۔ شراب بتدریج حرام ہوئی۔ نماز میں بتدریج تغیرات کیے گئے۔ عرب کی قدیم جنگ جو فطرت کی اصلاح بھی اسی اصول پر ہوئی۔ غارتگری عرب کا عام شعار تھا اور صحابہ بھی دفعتاً اس قدیم عادت کو نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ آنحضرت صلعم نے مختلف موقعوں پر مختلف طریقوں سے اس طریقہ کا انسداد کیا لیکن غزوۂ خیبر میں اس کی تکمیل ہوگئی۔ غزوۂ خیبر کے بعد فتح مکہ کا مرحلہ پیش آیا تو اسلام کی تربیت یافتہ فوج اپنے قدیم آبائی گھر میں اس سکون و اطمینان کے ساتھ داخل ہوئی کہ تمام دنیا کو نظر آگیا کہ اسلام نے عرب کی فطرت میں کیسا عظیم انقلاب پیدا کر دیا ہے۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْاُمِّيِّنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (الآیۃ)

وہ خدا ہی ہے جس نے ان پڑھوں میں ان سے ہی ایک پیغمبر بھیجا جو انکو خدا کی آیات سناتا اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور اس سے پہلے وہ یقیناً واضح گمراہی میں مبتلا تھے۔

آنحضرت صلعم نے فتح مکہ کی تیاریاں شروع کیں تو حسنِ اتفاق سے پہلی ہی منزل پر بطور فالِ رحمت کے رفق و ملاطفت کے اظہار کا موقع پیش آگیا۔ حاطب ایک بدری صحابی تھے جنھوں نے خفیہ طور پر قریشِ مکہ کو ایک خط لکھا تھا اور اسلامی تیاریوں کی خبر دے دی تھی۔ ان کا یہ خط راستے ہی میں پکڑ لیا گیا اور دربارِ نبوی میں گرفتار ہو کر پیش ہوئے تو آپ نے ان سے پوچھا کیا معاملہ ہے؟ انھوں نے کہا کہ آپ مجھے سزا دینے میں جلدی نہ کیجئے۔ اصل واقعہ سن لیں پھر جو مرضی ہو کریں۔ سن لیجئے کہ میں قبیلہ قریش سے کوئی خاندانی تعلق نہیں رکھتا۔ صرف ان کا پرانا حلیف و دوست ہوں۔ لیکن بہت سے مہاجرین ان کے ساتھ خاندانی تعلقات بھی رکھتے ہیں۔ جن کی وجہ سے اپنے اہل و عیال بچوں کی حفاظت کرا سکتے ہیں۔ جو مکہ میں ان کے قبضۂ تصرف میں ہیں اور میرے ان بال بچوں کی حفاظت کا کوئی ذریعہ نہیں جو مکہ میں ان کے قبضہ و تصرف میں ہیں۔ اس لئے میں نے چاہا کہ قریش پر ایک احسان کر دوں۔ جس کے صلے میں شاید میرے بال بچے بھی اس قسم کی حفاظت کے مستحق ہو جائیں۔ میرا قصور صرف اتنا ہے ورنہ میں مرتد نہیں ہوا ہوں۔ میرے دل میں اللہ اور رسول کی محبت موجود ہے۔ واللہ یہ درست ہے۔ حضرت عمرؓ اس پر اس قدر برہم ہوئے کہ آنحضرت صلعم سے ان کی گردن اڑا دینے کی اجازت چاہی۔ لیکن آنحضرت صلعم نے شرکتِ بدر کی فضیلت کی بنا پر انھیں بالکل معاف کر دیا اور حضرت عمرؓ کو ٹوا نٹا۔ (بخاری)

اس اولین واقعہ ہی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلام کا
سلوک ان لوگوں کے ساتھ کیسا تھا جن کی وجہ سے اس کے مقاصد
کو تخریب سے سخت نقصانات پہنچ سکتے تھے یا پہنچ چکے تھے۔ حاطب
ابن بلتعہ سے یقیناً بغیر کسی مخالفانہ قصد کے یہ کارروائی کی ہوگی۔ لیکن
نیت کی صفائی اس نقصان عظیم کی کیا تلافی کر سکتی تھی جو اس خط کے
پہنچنے سے اسلامی فوج پر وارد ہو سکتا تھا۔ جنگ کی حالت میں آج
بڑی سے بڑی متمدن قوم بھی جو کچھ کر رہی ہے وہ ہمارے سامنے ہے
فوجی رازوں کا افشا کرنا اور جنگ کی حالت میں دشمن سے خط و کتابت
کرنا ایک ایسا جرم ہے جس کی سزا موت کے سوا کچھ نہیں ہے
بایں ہمہ وجود مقدس رحمۃ العالمین جو رحمت و رافت لے کر دنیا
میں ظاہر ہوا تھا۔ اس کے آگے انسانی معاصی و جرائم کے بڑے
بڑے سمندر بھی چند قطرہ ہائے آب سے زیادہ کچھ حقیقت نہیں رکھتے
تھے۔ اس کے نظائر اگر تم سننا چاہو تو ساری عمر اسی تذکرہ میں
بسر ہو سکتی ہے۔ اور حاطب بن ابی بلتعہ کی معافی اسی بحر رحمت
کا ایک ذرۂ کرم ہے۔

چنانچہ سورہ ممتحنہ کا شان نزول یہی واقعہ ہے۔ حاطب بن ابی
بلتعہ کا قصور معاف کر دیا گیا لیکن ساتھ ہی آئندہ کے لئے حکم الہی
نازل ہوا کہ جنگ کی حالت میں جو مسلمان دشمنوں سے تعلق رکھے
گا تو وہ اللہ کے نزدیک انہی میں سے سمجھا جائے گا یعنی وہ مسلمان

نہیں رہے گا بلکہ کافر و مرتد بن جائے گا۔ جس کا قتل کر دینا ضروری ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُم مِّنَ الْحَقِّ ط (الآیۃ)

مسلمانوں! اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اپنا ایسا دوست مت بناؤ کہ ان کے ساتھ محبت و اعانت کے ساتھ پیش آنے لگو۔ حالانکہ جو سچائی تم کو دی گئی ہے یہ اس کا انکار کر چکے ہیں اور اس کے دشمن ہیں۔

اس کے بعد مسلمانوں کو دین حنیفی کے اولین داعی حضرت ابراہیم خلیل اور ان کے متبعین کے اسوہ حسنہ کی تلقین کی۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآءُ مِنكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّىٰ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ ط (الآیۃ)

مسلمانو! حضرت ابراہیم اور انکے ساتھیوں کی زندگی میں تمہارے لئے خدا پرستی اور حق دوستی کا بہترین نمونہ موجود ہے جبکہ انھوں نے اپنی قوم سے کہہ دیا کہ اب ہمیں تم سے اور تمہارے ان معبودان سے جنکو تم پوجتے ہو کوئی تعلق نہیں ہم تمہارے کاموں سے بالکل انکار کرتے ہیں۔ اب تو ہم میں اور تم میں ہمیشہ کیلئے دشمنی اور عداوت ہو گئی ہے

تاآنکہ تم خدائے واحد پر ایمان لاؤ
اور حق کے آگے سر جھکا دو۔

آنحضرت صلعم نے فتح مکہ کے لئے رمضان مبارک کا زمانہ منتخب فرمایا جو اظہار تقویٰ و خشیت الٰہی کا بہترین مظہر ہو سکتا تھا۔ تمام عرب ایمان لانے کے لئے صرف فتح مکہ کا انتظار کر رہا تھا۔ اس لئے آپ نے نہایت اہتمام کے ساتھ تیاری کی۔ دس ہزار فوج کا اجتماع ہوا اور مدینہ سے بھوک اور پیاس کے عالم میں اس نے مکہ کا رخ کیا۔

جب تمام فوج بمقام عسفان پہنچی تو آپ نے روزہ توڑنے کا حکم دیا قریش مکہ کو خبر ہوئی تو ابو سفیان۔ ابن حرب۔ حکیم ابن حزام اور بدیل ابن ورقہ دریافت حالات کرنے کے لئے آگے بڑھے۔ جب مقام مرالظہران میں پہنچے تو ان کو بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلے نظر آئے ابو سفیان نے کہا یہ تو عرفہ کی آگ معلوم ہوتی ہے۔ بدیل نے جواب دیا کہ یہ آگ قبیلہ بنو عمرو نے متفرق مقامات پر جلائی ہو گی لیکن ابو سفیان نے مانا اور ابھی حیص و بیص میں تھے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت آ پہنچی اور ان تینوں سرداروں کو گرفتار کر کے آنحضرت صلعم کے سامنے لے گئے۔ اس طرح یکایک وعدہ الٰہی پورا ہو گیا۔ کیونکہ سرداران قریش کی گرفتاری پوری قوم کی گرفتاری تھی۔ اور جب ان کو امان ملی تو ساری قوم کو بھی امان دے دی گئی اور لڑائی کی نوبت ہی نہ آئی۔

اس کے بعد آپ مکہ کی طرف بڑھے تو اپنے چچا عباس سے فرمایا

ابو سفیان کو اسلامی لشکر کے جاہ وجلال کا منظر دکھاؤ۔ فوج روانہ ہوئی تو ہر قبیلہ کا دستہ الگ الگ آنحضرت کے ساتھ چلتا تھا۔ ابو سفیان کے سامنے سے ایک دستہ فوج کا گزرا تو اس نے حضرت عباس سے پوچھا یہ کون سا قبیلہ ہے؟ انھوں نے غفار کا نام لیا تو ابو سفیان نے کہا مجھے ان سے کچھ مطلب نہیں۔ اسی طرح۔ جہینہ۔ بنو سعد۔ بنو سلیم وغیرہ کے قبائل سامنے سے گزرے لیکن وہ بالکل مرعوب نہ ہوا۔ اور یہی کہتا رہا مجھے اس سے کوئی پروا نہیں کچھ مطلب نہیں، یہ تو کچھ بھی نہیں۔ لیکن اس کے بعد ایک عظیم الشان فوج سامنے آئی جس میں بالکل نئے لوگ اور نئے انداز سے چلنے والے مجاہدین تھے۔ تو ابو سفیان پر پہلی دفعہ دہشت اور حیرت اور رعب وخوف طاری ہوا اور حضرت عباس سے پوچھا کہ یہ لوگ کہاں کے ہیں اور کس قبیلہ سے آئے ہیں۔ حضرت عباس نے جواب دیا۔ کہ یہ مدینہ کے انصار ہیں

سعد بن عبادہ نے ابو سفیان کی مرعوبیت دیکھ کر طنزاً کہا: آج ہی لڑائی کا اصلی دن ہے اور آج خانہ کعبہ کی لوٹ کا دن ہے۔ آج خانہ کعبہ لوٹ لیا جائے گا۔ اس کے بعد ایک چھوٹا سا دستہ گزرا جس میں آفتاب نبوت چمک رہا تھا یعنی اس میں آپ خود موجود تھے۔ آپ کا جھنڈا زبیر ابن عوام کے ہاتھ میں تھا۔ جب آپ ابو سفیان کے پاس سے گزرے تو اس نے سعد کے دل شکن فقرے آپ کو سنائے۔

آپ نے سن کر جواب فرمایا کہ سعد نے بالکل غلط کہا ہے۔ آج تو خانۂ کعبہ کو چھنی ہوئی عزت از سرِ نو واپس دلائی جائے گی۔ آج اس پر غلاف چڑھایا جائے گا۔ آج کا دن لوٹنے کا دن نہیں ہے بلکہ لٹے ہوئے کو امن دلانے کا دن ہے۔ اور خانہ کعبہ کی اڑائی ہوئی عظمت دوبارہ اس کو ملے گی۔

یہ کہہ کر آپ سورۂ فتح پڑھتے ہوئے آگے بڑھے اور مقام حجون میں جھنڈا گاڑنے کا حکم دیا اور چاروں طرف سے مکہ کا محاصرہ کر لیا گیا خالد بن ولید نے دائنی طرف سے اور زبیر بن عوام نے بائیں طرف سے حملہ کیا۔ حضرت ابو عبیدہ پیادہ فوج لے کر الگ حملہ آور ہوئے اور شہر کی شمالی جانب سے شہر میں داخل ہوئے۔ اب مکہ ہر طرف سے گھرا ہوا تھا اور مجاہدین کے سامنے جو شخص آتا تھا فوراً تہ تیغ کر دیا جاتا تھا۔ خود اسلامی فوج بالکل محفوظ تھی اور آخر تک محفوظ رہی حضرت خالد بن ولید کی فوج کے دو مجاہد شہید ہوئے۔ لیکن قریش کے پرغرور سروں کا ایک تودہ بن گیا۔ حتیٰ کہ ابو سفیان جو کہ مسلمان فوج کے قبضہ میں گرفتار تھا چیخ اٹھا ابیمت خضرا قریش لا قریش یعنی قریش کا سرسبز باغ بالکل اجاڑ دیا گیا اور آج قریش کا خاتمہ ہے۔ اس پر حسرت اور مایوسانہ فقرہ پر جو اسلام کے سب سے بڑے مغرور دشمن کی زبان سے نکلا تھا۔ رحمتِ کونین کے دریائے کرم نے جوش مارا اور امان عام کا حکم دیا۔

مَنْ دَخَلَ دَارَ اَبِیْ سُفْیَانَ فَھُوَ اٰمِنٌ وَمَنْ اَلْقَی السِّلَاحَ فَھُوَ اٰمِنٌ وَمَنْ غَلَقَ بَابَہٗ فَھُوَ اٰمِنٌ

(الحدیث)

جو شخص ابو سفیان کے گھر میں چھپ جائے ہا ہتھیار ڈال دے یا اپنا دروازہ بند کرے تو اس کیلئے امان عام ہے یعنی ان تینوں صورتوں میں سے کوئی صورت اختیار کر لے اس کو امان ہے۔

اس فیاضانہ حکم سے انصار کے دل میں بدگمانی پیدا ہو گئی۔ انھوں نے کہنا شروع کیا کہ آخر آپ کو اپنے قبیلہ پر رحم آ ہی گیا۔ آپ کو اس کی خبر ہوئی تو سب کو بلا کر فرمایا کہ میں خدا کا ایک بندہ اور رسول ہوں۔ میں نے خدا کے لئے تمہاری طرف ہجرت کی ہے۔ میری موت تمہاری موت اور میری زندگی تمہاری زندگی ہے۔ تم نے جو بدگمانی کی ہے وہ سچ ہے۔ لیکن جس طرح تم اس میں معذور تھے اسی طرح میں بھی معذور تھا۔ میرے قلب کی ملاطفت ورقت نے مجھے مجبور کر دیا ہے کہ میں اس قریش سے ہتھیار اٹھالوں جس میں سے اللہ نے تمہارے نبی کو پیدا فرمایا ہے اَنَا مِنْ قُرَیْشٍ ذَا الْمَوَدَّۃِ فِی الْقُرْبٰی

یہ روایت صحیح مسلم کی ہے۔ لیکن ابو داؤد میں ہے کہ جب آنحضرت مقام ظہران میں پہنچے تو اسلامی لشکر کے جوش وخروش کو دیکھ کر حضرت عباس کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اگر قریش نے آپ سے امان طلب نہ کی تو سب کے سب ہلاک ہو جائیں گے۔ اس خیال سے وہ خچر پر سوار ہو کر آگے بڑھے کہ اگر کوئی شخص مل جائے تو اہل مکہ کو امان طلبی پر

آمادہ کریں ورنہ تباہی مچ جائے گی۔ اتفاقاً راستہ میں ابوسفیان۔
بدیل اور حکیم نظر آئے۔ آپ ان سے ملے اور ان کو اپنے ساتھ لے
آئے دوسرے دن آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر ابوسفیان کو پیش
کیا جو فوراً اسلام لے آیا۔ اور حضرت عباس نے اس موقعہ سے فائدہ
اٹھا کر آنحضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ ابوسفیان اس موقع پر یہ فخر
حاصل کرنا چاہتا ہے کہ اس کے گھر کو دارالامان بنا دیا جائے۔ آنحضرتؐ
نے یہ درخواست سن کر پہلے تو ابوسفیان کے گھر کو صرف دارالامان بنا
دیا لیکن تھوڑی دیر بعد امن عامہ کا حکم دے دیا کہ

من دخل دار ابی سفیان	جو شخص ابی سفیان کے گھر میں پناہ
فھو امن ومن غلق علیہ	لے یا اپنا دروازہ بند کرے یا مسجد میں پناہ
دارہ فھو امن ومن دخل	لے تو اس کے لئے امن ہے اور وہ
المسجد فھو امن	اسلام کی پناہ میں ہے اور اس کا
(الحدیث)	میں ذمہ دار ہوں۔

چنانچہ نتیجہ یہ ہوا کہ اس اعلان سے لوگوں نے پورا پورا فائدہ
اٹھایا فتفرق الناس الی دار ابی سفیان والی دورھم والی المسجد کے
الفاظ سے ثابت ہے کہ لوگ دھڑا دھڑ ابوسفیان کے گھر اور مسجد کی طرف
دوڑنے لگے اور جن کے اپنے گھر تھے انھوں نے گھروں میں گھس کر دروازے
بند کر لئے اور جانیں بچالیں۔ اسی دوران میں حضرت اُم ہانی آپ کی خدمت
میں حاضر ہوئیں اور عرض کی کہ فلاں مشرک کو میں نے پناہ دے رکھی

سے ، اس کی جان بخشی چاہتی ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ کسی ایک شخص
کی تخصیص نہیں بلکہ تم نے جس کسی کو بھی پناہ دی ہے وہ ہماری امان
میں داخل ہو گیا۔ عام امان کا اعلان کچھ دیر بعد ہوا تھا جس وقت اُم
ہانی درخواست لے کر حاضر ہوئی ہیں۔ اس وقت صرف ابو سفیان
کے گھر اور مسجد کی پناہ کا اعلان ہوا تھا۔ بعدہٗ جب معلوم ہوا کہ بہت
سارے لوگ ہیں جو کہ نہ ابو سفیان کے گھر جانا پسند کرتے ہیں اور نہ ہی
اُم ہانی کے گھر جانا اور مسجد میں جگہ نہیں۔ تو آپ نے ایسے لوگوں کی رعایت
سے سب سے آخر یہ اعلان فرمایا کہ اَلحَرَامُ آمِنٌ زمینِ حرم
(مکہ) کے رہنے والے سب کے لئے امن ہے۔
غرض آپ کے عفو و کرم نے تمام مکہ کو اپنے دامن میں چھپا لیا
اور عین حالتِ جنگ میں بھی کسی نے کسی کے مال و اسباب کو
ہاتھ تک نہ لگایا۔
ابو داؤد میں ہے کہ وہب کہتے ہیں کہ میں نے جابر سے پوچھا
کیا صحابہ نے فتح مکہ کے دن کوئی چیز بطورِ مالِ غنیمت لی تھی تو انھوں
نے جواب دیا ہرگز نہیں۔ اس کے بعد آپؐ نے خانۂ خدا میں جاکر
تین سو ساٹھ بتوں کو توڑا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ
نے پہلے بت باہر نکلوا کر توڑنے کا حکم دیا اور پھر اندر گئے
ان بتوں میں ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کے بھی بت تھے، جن کے
ہاتھوں میں جوئے کے تیر تھما دئے گئے تھے آپ نے دیکھ کر

فرمایا: خدا کفار کو ہلاک کرے۔ وہ خوب جانتے تھے کہ ان دونوں پیغمبروں نے کبھی جوا نہیں کھیلا۔ اس کے بعد آپ نے ان دونوں مجسموں کو اپنے ہاتھوں سے توڑا، اور خدا کے گھر کو کفر و شرک سے پاک کیا وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن ؁

امن و امان کے بعد صرف ایک شخص قتل کیا گیا چنانچہ حدیث کے الفاظ ذیل سے معلوم ہوتا ہے بجاء رجل فقال ابن خطل متعلق باستار الکعبۃ فقال اقتلہ ؁ یعنی ایک شخص نے آکر آنحضرتؐ کو خبر دی کہ ابن خطل کعبہ کے پردوں کو تھام کر کھڑا ہے۔ آپؐ نے فرمایا اس کو قتل کر دو۔ پھر اس کو قتل کر دیا گیا۔ لیکن اہل سیر نے چند اشخاص کے نام اور بتائے ہیں۔ ابو داؤد میں دو روایتیں ہیں، جن سے اہل سیر کی تائید ہوتی ہے۔ لیکن ان میں سے ایک روایت کے متعلق خود ابو داؤد نے لکھ دیا ہے کہ یہ ضعیف ہے۔ اس لئے یہ روایتیں اور اہل سیر کا قول قابل اعتبار نہیں جن کی رو سے چھ آدمیوں کا قتل ثابت ہوتا ہے۔ مجموعی طور پر ان سادہ واقعات سے حسب ذیل نتائج مستنبط ہوتے ہیں:

(۱) آنحضرتؐ کا معمول تھا کہ رات کے وقت کسی قوم پر حملہ نہیں کرتے تھے۔ اس لئے خیبر میں رات کو اسلامی فوجوں کا داخلہ نہیں ہوا۔ حالانکہ تمام فوجیں شب خون کے لئے موقع تلاش کرتی رہتی ہیں۔

(۲) صحابہ نے خیبر میں غارت گری کی لیکن آپ کو خبر ہوئی تو آپ نے نہایت سختی کے ساتھ تنبیہ فرمائی اور متعدد چیزوں کو منع کر دیا۔

جس میں مال غنیمت کی غارت گری و لوٹ بھی شامل ہے۔

(۳) یہود خیبر کے ساتھ نہایت نرم شرائط پر انھیں کی خواہش کے مطابق معاہدۂ صلح کیا گیا اور اور اس عدل و انصاف کے ساتھ اس کی پابندی کی گئی کہ خود ان لوگوں نے مداحانہ اعتراف کیا۔ حالانکہ اب عموماً محاصرے کے ذریعہ سے صلح پر مجبور کیا جاتا ہے اور اس مجبورانہ صلح کا انعقاد بھی فاتح کی خواہش کے مطابق ہوتا ہے۔

(۴) آنحضرتؐ کی زبان مبارک سے خربت خیبر کا جو فقرہ نکل گیا تھا وہ محض فاتحانہ شان کا اظہار تھا۔ ورنہ اس سے یہ مقصود نہ تھا کہ خیبر درحقیقت تباہ ہو گیا۔ یا اس تباہی سے مراد ان کی شان و شوکت کا اظہار ہے۔ اس لئے فتح خیبر کے بعد ان کی عظمت خاک میں مل گئی مگر تمدنی لحاظ سے ان کو راضی رکھا گیا۔

(۵) قریش کو فتح مکہ کی تیاری کی خبر دینے پر آنحضرتؐ نے حاطب ابن ابی بلتعہ کو بالکل معاف کر دیا۔ حالانکہ موجودہ قوانین جنگ کے رو سے ایسے شخص کو گولی مار دی جاتی ہے۔ اس جرم کو قابل درگزر نہیں سمجھا جاتا۔

(۶) سعد بن عبادہ نے فخریہ یا طنزاً ابو سفیان کو خانہ کعبہ کی بے حرمتی کی دھمکی دی تو آپ نے اس کی تردید فرمائی۔ حالانکہ ایسے مواقع میں اظہار فخر یا فاتحانہ شان میں طنز کو ضرورت سیاسی سمجھا جاتا ہے۔

(۷) فتح مکہ میں آنحضرتؐ نے امان عام دے دی اور اس امان سے تمام سرداران قریش نے فائدہ اٹھایا۔ حالانکہ یہی لوگ اسلام اور مسلمانوں

کے اصلی دشمن تھے۔ اور آج دنیا تہذیب کے اس دور میں بھی ایسا کرنے کو تیار نہیں۔

(۸) فتح مکہ کے وقت مفتوح قوم کی کوئی چیز بھی صحابہ نے نہیں لوٹی بلکہ کسی چیز کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔

(۹) امان کے بعد صرف ایک آدمی قتل کیا گیا جو واجب القصاص تھا۔ اس کو قصاص میں قتل کیا گیا۔ بقیہ اشخاص کے قتل کی روایت مشتبہ ہے اور اگر صحیح بھی ہو تو صرف چھ آدمیوں کا قتل ثابت ہے جو کہ مفسد تھے اور ان کے سابقہ اعمال کی پاداش میں ان کو قتل کیا گیا نہ کہ جوش انتقام میں۔

دنیا کی قدیم و جدید تاریخ آپ کے سامنے ہے۔ آپ اسلامی فوج کے ساتھ اگر ان کے داخلہ کا موازنہ کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ دنیا کی پوری تاریخ اس قسم کے فیاضانہ داخلہ کی نظیر نہیں پیش کر سکتی۔ آج جب کہ تمدن و تہذیب کا ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے اور تہذیب و شائستگی اور انسانی حقوق کے بڑے بڑے دعوے کئے جاتے ہیں کوئی فاتح ہے جو اس طرح کی فیاضی کا ثبوت دے۔

عہد صحابہ کے واقعات شاہد عادل ہیں کہ اس عہد میں بھی آنحضرت کے فاتحانہ طرزِ عمل کی تمام خصوصیات قائم رہیں اور مفتوحہ ممالک کے ساتھ نہایت فیاضانہ مراعات کی گئیں۔ فتوحات کے لحاظ سے حضرت عمرؓ کا زمانۂ خلافت نہایت ممتاز ہے۔ عرب و افریقہ کے

تمام زرخیز و شاداب ممالک اسی زمانہ میں فتح کئے گئے۔ لیکن فتوحات کے اس عظیم الشان سیلاب نے کسی قوم کی مادی اور روحانی یادگاروں کو خفیف سی ٹھوکر بھی نہیں لگائی۔

مجاہدین کا مدائن میں داخلہ

فاتح فوج کا عام قاعدہ ہے کہ جب نہایت جدوجہد کے ساتھ کسی شہر میں داخل ہوتی ہے اور باوجود جانبازی مال غنیمت سے بہرہ اندوز نہیں ہوتی تو ناکامی کا غصہ اس کو نہایت وحشیانہ افعال پر آمادہ کر دیتا ہے۔ لیکن اس عام فوجی طرزِ عمل سے صرف ایک مسلمانوں کی قوم مستثنیٰ ہے۔ مسلمانوں نے مدائن کو فتح کرنا چاہا تو ایک بحرِ زخار کو عبور کر کے شہر میں داخل ہوئے۔ یزدجرد شاہ ایران نے پہلے ہی سے اپنے اہل اولاد کو حلوان روانہ کر دیا تھا۔ تمام لوگ شہر خالی کر کے چلے گئے تھے۔ اور اپنے سرمایہ کا بہترین حصہ وہ ساتھ لے گئے تھے گھروں میں صرف معمولی چیزیں چھوڑ دی تھیں۔ اسلامی فوج نے ایک ایک گلی کا چکر لگایا مگر ایک متنفس بھی نظر نہ آیا۔ صرف قصرِ سفید میں کچھ لوگ موجود تھے۔ جن کا مسلمانوں نے محاصرہ کیا اور انھوں نے بالآخر جزیہ قبول کر کے صلح کر لی۔ اور مسلمانوں نے ان کو اپنے گھروں میں آباد کر دیا۔ حضرت سعد سلمان محجن کے امیر قصرِ سفید میں داخل ہوئے تو اس میں بکثرت تصویریں نظر آئیں لیکن انھوں نے ایک تصویر کو بھی ہاتھ

ہنیں لگتا تھا کہ یہ ان لوگوں کی معبود ہوں گی۔

مجاہدین کا اسکندریہ میں داخلہ

اسکندریہ کی فتح میں اس سے بھی زیادہ اشتعال انگیز واقعات پیش آئے۔ اسکندریہ مادی سرو سامان کے ساتھ رومیوں کا مذہبی مرکز بھی تھا رومیوں کے تمام بڑے بڑے گرجے وہیں تھے۔ اور شام کی فتح کے بعد وہ لوگ اسکندریہ ہی میں عید مناتے تھے۔ اس بنا پر جب مسلمانوں نے اسکندریہ کا محاصرہ کیا تو رومیوں نے مدافعت کے لئے اپنی پوری طاقت صرف کر دی۔ تین مہینے تک مسلسل محاصرہ رہا یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے گھبرا کر عمرو بن عاص کو ایک غصہ آمیز خط لکھا جس کے بعض فقرے یہ ہیں:

وماذاك الا احدثتم واحببتم الدنيا ما احب عدوكم فان الله لا ينصر قوما الا بصدق النيات فاصلحوا احوالكم

فتح میں تاخیر صرف اس بنا پر ہو رہی ہے کہ تم نے اپنی قدیم حالت بدل دی اور جسطرح تمہارے دشمن دنیا پرست ہیں اسی طرح تم بھی دنیا کی طرف مائل ہو گئے ہو لیکن یاد رکھو کہ خدا کسی قوم کی مدد صرف صدق نیت ہی کی بنا پر کرتا ہے پس درست ہو جاؤ۔

عمرو بن عاص نے تمام فوج کو جمع کر کے یہ خط سنایا اور حکم دیا کہ

سب لوگ وضو کر کے نماز پڑھیں اور خدا سے اپنے گناہوں کی معافی اور دشمن پر فتح کی دعا مانگیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ محاصرہ کی حالت میں اور بھی بہت سے واقعات پیش آئے۔ رومی فوج قبیلہ مہرہ کے ایک شخص کا سر کاٹ کر لے گئی اور لاش کو میدان میں چھوڑ دیا۔ قبیلہ مہرہ کے لوگ سخت برہم ہوئے اور اصرار کیا کہ ہم لاش کو بغیر سر کے دفن ہی نہ کریں گے عمرو بن عاص نے کہا کہ اس غصہ سے کام نہیں چلتا تم بھی ان کے کسی سپاہی کا سر کاٹ لاؤ تو وہ اس کے معاوضہ میں تمہارے سپاہی کا سر واپس کریں گے۔ چنانچہ انھوں نے اس پر عمل کیا اور رومیوں نے اس معاوضہ میں ان کے مقتول سپاہی کا سر واپس کر دیا۔ طمانچے کا طمانچہ کا قانون جاری کیا۔

ایک رومی نے مسلمہ بن مخلد صحابیہ پر حملہ کیا تھا اور ان کو گھوڑے سے گرا دیا تھا۔ چونکہ ان کی تمام فوجی زندگی کا یہ ایک مستثنیٰ اور دلشکن واقعہ تھا۔ اس لیئے ان کو اور باقی مسلمانوں کو بھی سخت غیرت آئی۔ عمرو بن عاص کو بھی سخت غصہ آیا اور اسی غصہ کی حالت میں فرمایا کہ عورت ہو کر کیوں مردوں کے ساتھ شریک جنگ ہوئی۔ اسی غصہ کی حالت میں نہایت زور شور سے لڑائی ہوئی اور مسلمان فرط جوش میں قلعہ کے اندر گھس گئے۔ لیکن رومیوں نے پھر حملہ کر کے ان کو قلعہ کے باہر نکال دیا۔ بایں غیظ و غضب جب اسکندریہ فتح ہوا اور بچوں اور عورتوں کو چھوڑ کر صرف چھ لاکھ قیدی گرفتار ہوئے تو مسلمانوں نے

ان کو لونڈی غلام بناکر تقسیم کرنا چاہا۔ مرکز سے حضرت عمرؓ کا حکم آیا کہ صرف جزیہ قبول کرا کے ان کو آزاد کردو۔ چنانچہ وہ سب کے سب آزاد کردئے گئے مضافات مصر کے بہت سے لوگ رومیوں کے ساتھ شریک جنگ ہو گئے تھے مسلمانوں نے ان کو گرفتار کر کے مدینہ روانہ کردیا۔ حضرت عمر نے ان کو آزاد کر کے واپس مصر بھیج دیا اور جزیہ لینے کا حکم دیا۔ قیصر روم کو ڈر تھا کہ اگر مسلمانوں نے اسکندریہ کو فتح کرلیا تو سب سے پہلے ان کے گرجے زد میں آئیں گے۔ لیکن گرجوں کے ساتھ جو سلوک مسلمانوں نے کیا اس کا اندازہ طبری کے الفاظ سے ہو سکتا ہے ملاحظہ ہو طبری:

" یہ گرجے اسکندریہ کے کنارے پر تھے اور ان کے گرد بہت سے بت بنے ہوئے تھے۔ ان میں کسی کی کمی و بیشی نہیں کی گئی۔ عمرو بن عاص نے مصر پر چڑھائی کی تو وہاں کے لوگوں نے اپنے بادشاہ سے کہا کہ جن لوگوں نے قیصر و کسریٰ کو پامال کر دیا ان سے صلح ہی کر لینی بہتر ہے۔ لیکن اس نے انکار کر دیا۔ معرکہ شروع ہوا تو حضرت زبیر قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے اور ان لوگوں نے قلعہ کا دروازہ کھول دیا اور معاہدہ صلح کرنا چاہا۔ عمرو بن عاص نے منظور فرمایا۔ جن شرائط پر صلح ہوئی وہ ملاحظہ ہوں ــــ "تمہاری جان۔ مال۔ مذہب۔ گرجا۔ صلیب۔ عزت۔ بحر و بر ہر چیز کی امان دیتا ہوں۔ ان چیزوں میں کسی قسم کی مداخلت اور کمی بیشی نہ کی جائے گی۔ آپ لوگوں یعنی اہل مصر کو ان

مراعات کے بدلے صرف جزیہ دینا ہوگا۔ وہ بھی اگر نیل کا پانی خشک یا کم ہو گیا تو بقدر اس نقصان کے معاف ہوگا۔ جو شخص جزیہ دینا پسند نہیں کرتا تو وہ اپنے ہم مذہبوں کے وطن میں چلا جائے اور اس کو اپنی جائے امن تک پہنچنے کی امان ہے۔ یہ امان اس وقت تک رہے گی کہ وہ اپنے مامن کو پہنچ جائے یا ہماری سلطنت سے نکل جائے۔"

یہ تحریر منجانب عمرو بن عاص عامل مصر ہے۔ (طبری)

آپ ان فیاضانہ شرائط صلح کو ملاحظہ فرمائیں۔ کیا جنگ کے ذریعہ بزور بازو فتح کی ہوئی قوموں سے اس طرح کی مصالحت کوئی فاتح قوم مسلمانوں کے بغیر کرسکتی ہے۔ تاریخ عالم اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیت المقدس (فلسطین) کے لوگوں کے ساتھ اس سے بھی زیادہ فیاضانہ مراعات کے ساتھ معاہدۂ صلح کیا تھا۔ مسلمانوں کی یہی فیاضیاں تھیں جن سے متاثر ہو کر فتح اسکندریہ میں قبطیوں نے خود رومیوں کے مقابلہ میں ان کو جانبازانہ مدد دی تھی۔ ان سب واقعات پر ایک سرسری نگاہ ڈالیے اور پھر دنیا کی تاریخ کو سامنے رکھیے اور فیصلہ کیجئے کہ ایک فاتح اور داعی حق میں کیا فرق ہے اور ان دونوں کے حاملے اور مفتوحہ قوموں کے ساتھ برتاؤ اور انجام و عواقب کو سامنے رکھ کر غور کیجئے کہ فاتح اور منادی عدل و انصاف میں کتنا بعد ہے اور دونوں کا ہر فعل اور ہر عمل بلکہ ہر حالت پکار پکار کر ایک کی سچائی اور دوسرے کی کذب پروری کی خبر دے رہی ہے۔ مگر چشم بصیرت اور گوش حق نیوش ہو تو سمجھ آئے۔

باب چہارم

آثار و یادگار

سیلاب آتا ہے تو اس کی سطح پر سربفلک عمارتیں حباب کی طرح تیرتی پھرتی ہیں۔ زلزلہ آتا ہے تو فقیروں کی جھونپڑی کے ساتھ شاہی قصر کے ستون بھی متزلزل ہو جاتے ہیں۔ آندھی چلتی ہے تو سب سے پہلے عظیم الشان محلوں کے کنگرے ہی ان کے سامنے سرتسلیم خم کرتے ہیں جنگ بھی ایک سیلاب ہے جو تمدن کے آثار کو بہا لے جاتا ہے لڑائی بھی ایک زلزلہ ہے جو نظام امن کی بنیادوں کو دفعتہً ہلا دیتا ہے معرکہ کارزار بھی ایک آندھی ہے جو علم و تہذیب کے ایک ایک درخت کی بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینک دیتی ہے۔

دنیا کی تاریخ ہر زمانہ میں اس کی دردناک مثالیں بکثرت پیش کی ہیں بخت نصر اٹھا اور بیت المقدس کو برباد کر دیا۔ ایرانی آئے اور بابل کے قدیم تمدن کو تاراج کر کے چلے گئے۔ رومی نکلے اور کارتھیج کی سرزمین کو آگ و خون سے بھر دیا۔ سکندر اعظم یونان سے نکلا اور ایران کے در و دیوار کے ایک ایک نقش کو مٹا کر رکھ دیا۔ تاتاری ابھرے تو بغداد کے قدیم آثار کو دجلہ میں ڈبو کر چھوڑ ڈالا۔ یہ تو ہوا مگر ان حملوں اور معرکوں سے دنیا کی مادی یاد

گاروں کے ساتھ ساتھ روحانی یادگاروں کو بھی فنا کر دیا۔ تاتاریوں نے
بغداد کے کتب خانے کا ایک ایک حرف دجلہ کے بہتے ہوئے پانی سے دھو
دیا۔ اسکندریہ کا عظیم الشان کتب خانہ آگ کے شعلوں کی نذر ہو گیا۔ ایران
کے تاج شاہی نے موتیوں کے ساتھ اپنے علمی جواہر بھی غارت گروں کے پاؤں
پر نثار کر دیے۔ سیکڑوں بت خانے منہدم ہو گئے۔ سیکڑوں مسجدیں ویران
ہو گئیں۔ ہزاروں گرجے گرا دیے گئے۔ لاکھوں صومعے برباد کر دیے گئے
کروڑوں مدارس نذر آتش کر دیے گئے اور خاکستر کا ڈھیر بن گئے آج
خود یورپ کی ہی روایت سے خود یورپ کی ایک وحشیانہ مثال کا ہماری
معلومات میں اضافہ ہوا ہے۔ ہمارے سامنے موجودہ علم و تمدن کی اس
سب سے بڑی محافظ قوم کو بطور مثال پیش کیا گیا ہے جو آج فلسفہ اور
صناعت کی نئی زندگی کے لئے سب سے پہلے میدان تجربات میں کودی
اور اپنی کامیابی کا صور پھونکا۔ اور جو آج فلسفہ اور سائنس کی عمارتوں کا اصلی
ستون شمار ہوتی ہے جس کی سرزمین نے علم کی سب سے بڑی خدمت
انجام دی ہے۔ جس کے حکما نے فلسفہ اور صناعت کی نئی زندگی کے
لئے سب سے پہلے نفخ روح کیا جس نے مشرقی علوم و آثار کو سب سے
پہلے بچایا۔ اور جس کے فلسفہ نے ارسطو کی عظمت خاک میں ملا دی اور
یونان کے علمی تسلط کی جگہ اپنے عرش فکر و ادراک کے آگے تمام دنیا
کو سجدہ کرایا جس کا ملک سب سے بڑا دار الصنائع۔ جس کے دار العلوم
سب سے زیادہ پائیگاہِ علم و حکمت اور جس کی قوم سب سے زیادہ پرستار

علم و تمدن، اور حسین کے باشندے سب سے زیادہ عشاقِ علم و تہذیب
حسین کی یہ شان یہ عظمت۔ یہ پرستار بنے علم و فن، اور یہ عشق لیلائے علوم
و معارف ہے۔ یہ اس کی حالت ہے کہ باین ہمہ ہمیں یقین دلایا گیا ہے کہ
اس نے یورپ کے ایک بہت بڑے علمی پائیگاہ (قرطبہ) کو جلا دیا
اور اس کا دارالعلوم، اس کا دارالکتب، اس کے علمی تجربگاہ سب
آگ اور دھوئیں کے اندر فنا کر دئے۔ غیر محارب انسانوں کے قتل اور
بے قصور علمی عمارتوں کی آتش زدگی پر آج علم و تمدن کا ہر فرزند اپنے آپ
کو خونبار و ماتم سنج دکھلاتا ہے۔

لیکن کبھی کبھی وہی پانی جو طوفان بن کر موجیں مارتا تھا، ایسا بھی
ہوتا ہے کہ ابر کرم کا چھینٹا بھی بن جاتا ہے۔ کبھی کبھی زمین کی وہی حرکت
جو زلزلہ بن جاتی ہے۔ ایسا بھی انقلاب ہوتا ہے کہ سبزہ کی لہک اور
بوئے گل کی موج بن جاتی ہے۔ کبھی کبھی ہوائے تند کا وہی جھونکا جو آندھی
بن کے چلتا تھا ایسا بھی ہوا ہے کہ نسیم خوشگوار بن کر چلنے لگا ہے۔
یخرج الحی من المیت و یخرج المیت من الحی (الآیۃ) اس کی
قدرت زندوں سے مردے اور مردوں سے زندے نکالتی رہتی ہے۔
اس کے دستِ قدرت کی کرشمہ نوازی کا ایک کھیل ہے جو دکھاتا رہتا
ہے۔ کائنات کی بوقلموں نظامِ زندگی اور موت اسی کا نمونہ ہے۔ اسلام
اسی ابر کرم کا ایک چھینٹا، اسی بوئے گل کا قافلہ، اسی نسیم سحر کی موج
حیات تھا۔ بخت نصر نے بیت المقدس کو برباد کر دیا تھا۔ ایرانیوں کے حملے سے

بابل کا تمدن منہدم ہو گیا تھا۔ ایران کے در و دیوار سکندر کے حملوں سے چور چور ہو گئے تھے۔ تاتاری بغداد میں اینٹ پتھر کا ڈھیر چھوڑ کر چلے آئے تھے۔ لیکن فرزندان اسلام نے خدا کی راہ میں جان و مال برباد کیا تاکہ دنیا کو آباد کریں۔ انھوں نے اپنے آپ کو مٹایا تاکہ دنیا کی مٹی ہوئی یادگاریں پھر زندہ ہو جائیں۔ انھوں نے اپنے خون کو بہایا تاکہ دنیا کے چہرے کا وہ آب و رنگ پھر عود کر آئے جس کو وحشیانہ حملوں کے سیلاب بہا لے گئے تھے۔ انھوں نے اس پاک مقصد کے لئے تلوار ہاتھ میں لی اور دنیا نے دیکھ لیا کہ جو چیز سر رشتۂ حیات کو پہلے کاٹ دیتی تھی وہ اب تمدن کے بکھرے ہوئے اجزاء کو کیونکر جوڑ رہی ہے۔ دنیا نے دیکھ لیا کہ عرب کے جن میدانوں میں خاک اڑ رہی تھی اب میں نسیم خوشگوار کے جھونکے چلنے لگے۔ ایران کے مٹے ہوئے نقش و نگار پھر ابھر آئے ایران کی برہم شدہ مجلس علم پھر گرم ہو گئی۔ مصر و شام کا کاروان رفتہ پھر لوٹ آیا۔ بیت المقدس پھر تمدن کا قبلۂ مقصود بن گیا۔ پہلوں نے کچھ لوٹا تھا انھوں نے وہ سب کچھ واپس دلا دیا۔ پہلوں نے برباد کیا تھا انھوں نے زندگی بخشی۔ ٹیٹس رومی یروشلم آیا تاکہ برباد کرے۔ لیکن اعراب حجاز یروشلم گئے تاکہ اس کے لٹے ہوئے باغوں کو سرسبز و شاداب کریں۔ رومیوں کی فوجیں افریقہ اور ایران سے گزریں، لیکن ان کی راہوں میں ہلاکت اور بدحالی تھی۔ ٹھیک انہی زمینوں پر سے مسلمان بھی گزرے مگر ان کے ساتھ تمدن و آبادی اور امن و نظام کے فرشتے سایہ افگن تھے۔

انھوں نے جن بستیوں کو ویرانے میں بدلا انھوں نے ان کو آبادی میں بدل دیا۔

فانظر الیٰ آثار رحمۃ اللّٰہ کیف یحی الارض بعد موتھا ان ذٰلک لمحی الموتیٰ وھو علیٰ کل شیءٍ قدیر

رحمت الٰہی کی نشانیوں کو دیکھو کہ کس طرح مردہ زمین کو زندگی بخشتی ہے بیشک وہ موت کو حیات سے بدلنے والا اور سب کچھ کرنے والا ہے۔

لیکن جس قوم نے اعلاء کلمۃ اللّٰہ کا جھنڈا بلند کیا تھا جو ایک دین قیم کی صداقت کو دنیا کے تمام ظلم و فساد اور عصیان و طغیان پر غالب کرنا چاہتی تھی، اس کے سینے کے اندر امن و اصلاحِ عالم کی جس روح اقدس نے اپنا نشیمن بنایا تھا۔ وہ صرف تمدن اور تہذیب کی گلکاریوں ہی پر فریفتہ نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کا مقصد ظہور اس کی بلندی ہے جس کے بعد چشم مادہ کچھ نہیں دیکھ سکتی اور اس وسعت سے جس کے بعد ہماری بڑی سے بڑی رصدگاہیں جواب دیتی ہیں بہت بلند تر وارفع تر تھا اس کی مثال کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر یعنی تم دنیا میں سب امتوں سے اعلیٰ و ارفع امت ہو اور تمہارا ظہور بنی نوع انسان کے لئے ہے تاکہ تم ان کو سچائی کا حکم دو اور برائیوں سے منع کرو یہی تمہارے ظہور کا مقصد ہے۔

امم قدیمہ کے آثار

ہم کو معلوم نہیں کہ عظیم الشان مصری میا میں کیوں آئے تھے لیکن

ہم نے ہیروغلیفی نقوش کے اندر پڑھا ہے کہ انھوں نے بڑی بڑی قوموں
کو غلام بنا کر خوار و ذلیل کیا۔ ان کو عجیب عجیب طرح کے آلہ ہائے تعذیب
کے شکنجوں میں کسا۔ جن کی تصویریں (ممی فنس) کے مندروں میں دیکھ کر ہم اشک
اشک آلود ہوئے ہیں۔ اور اس کے بعد بڑے بڑے مینار بنا کر اور
حیرت انگیز عمارتیں کھڑی کر کے دنیا سے چلے گئے۔ مگر ان کی تعمیری و صناعی
کارناموں کا وجود بھی مظلومی کی ان آہوں اور بے بسی کے ان آنسوؤں کی
یاد دلاتا ہے جو بلادِ نوبہ اور کنعان کی مفتوح قوموں نے ان کے لئے
چار پایوں سے بھی زیادہ محنت کرتے ہوئے بہائے تھے۔ ہم نہیں جانتے
کہ روم کے ہولناک فاتحوں کا جن کے سر پر تمدن قدیم کا سب سے زیادہ
درخشاں تاج نظر آتا ہے، کیا مقصد تھا۔ مگر ہم نے شمالی افریقہ میں کئی میلوں
تک پھیلا ہوا ایک تودہ دیکھا ہے۔ جس کے اندر سے کارتھیج کی دیواروں کی
ٹوٹی ہوئی اینٹیں نکلتی رہتی ہیں۔ اور ایران و شام کی خاک کے ذرے کہتے
ہیں کہ ہمیں سب سے زیادہ خون انہی رومی تلواروں کی لعنت سے نصیب
ہوا ہے۔

تاریخ کے عہدِ قدیم کی تاریکی ہمیں کچھ نہیں بتلاتی کہ وہ عظیم الشان
ایرانی جنھوں نے اصطخر کی عظیم الاثر ایوان بنائیں اور اپنی روایتوں
کے اندر دیووں سے لڑے اور تمام بحر و بر کو تختِ ایران کے آگے سر بسجود
دیکھا، دنیا میں کیوں نمایاں ہوئے تھے اور دنیا نے ان سے کیا پایا۔ البتہ
دریائے فرات کے کنارے کے وحشت ناک تودے اور کہیں کہیں ابھر کر

نظر آ جانے والی شکستہ دیواریں اپنے اندر ایک تاریخ عمل ضرور رکھتی ہیں۔ اور ایران کا سب سے بڑا کارنامہ یہ بتلاتی ہیں کہ عہدِ قدیم کے عظیم الشان کشورِ تمدن یعنی بابل پر خوفناک درندوں کی طرح وہ چڑھ آئے اور اس کی عجیب الصناعت دیواروں کے نیچے بربادی و تباہی سے ان کے مقصدِ ظہور پر نوحہ پڑھا۔ پھر وہ خود بابل جو ایرانیوں کی خونخواری پر نوحہ خواں ہے دنیا میں کس غرض سے آیا تھا اور کیا کر گیا۔ یہ سچ ہے کہ اس نے معلّق باغ بنائے جو بڑے ہی عجیب تھے اور آج بھی عجیب سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن اس نے تمدن و انسانیت کے ان باغوں کو کیا کیا جو عجیب تر نہ تھے لیکن باغبانِ دنیا کے ہزارہا برسوں کی محنت کی کمائی ضرور تھے۔ ہولناک بخت نصر کا تاراج کن سیلاب جب شام میں پھیلا ہے تو یروشلم کی زمین کا چپہ چپہ سرسبزی و شادابی کی بہشت تھا لیکن بابل کے متمدن فرزند وہاں اس لئے آئے تھے کہ زندگی کی شادابی کی جگہ آگ کے حرفوں کے نقشوں میں اپنے ظہور کا مقصد لکھ جائیں سچ ہے فجاسوا خلال الدیار وکان وعدا مفعولا (گھروں میں گھس کر ان کو تباہ و برباد کر دیا، یہ اللہ کا وعدہ ضرور ہونے والا تھا جو ہو کر رہا) پھر وہ قوم جوان سب کی جانشیں ہوئی۔ شام سے اٹھی اور روم پہنچی۔ پھر یونان، مصر اور شمالی افریقہ تک پھیل گئی۔ اس کی نسبت بھی ہمیں نہیں معلوم کہ اس کے آنے کا مقصد کیا تھا اور گو وہ کوہ زیتون کی ایک چٹان پر تبلایا گیا ہے لیکن نہ تو روم کی تاریخ میں وہ قابل فہم ہے

اور نہ پانچویں صدی مسیحی سے لے کر (جبکہ اس نے تخت حکومت اور تلوار بے نیام کے ساتھ اپنی نمائش کی) پندرھویں صدی مسیحی تک (جبکہ اسپین میں مجلس تہذیب روحانی کام کر رہی تھی) وہ سمجھا جا سکتا ہے۔ البتہ خود ہسپانیہ کی رہنمائی میں ہم نے قرطبہ اور غرناطہ کی وہ عمارتیں دیکھی ہیں۔ جہاں پہلے تمدن کی رونق، علم کی مجلسیں اور عمران و تہذیب کی آبادیاں تھیں۔ مگر اس کے بعد وحشت و بہیمیت کا ایسا سناٹا چھایا جیسے بیسویں صدی کی عالمگیر چہل پہل بھی اب تک دور نہ کر سکی اور جس کے کھنڈرات آج بھی تماشہ گاہِ عالم ہیں۔

لیکن دنیا کی ان تمام بڑی سے بڑی قوموں کے بعد ہمارے سامنے صرف ایک قوم ایسی آتی ہے جس نے اپنے ظہور کے پہلے ہی دن اپنا مقصد بتلا دیا تھا اور جو محض قوتوں کا ایک ہجوم، طاقتوں کا ایک اجتماع اور قہر و استیلاء ہی کا ایک انقلابی سیلاب نہ تھا جو آیا اور بہا کر چلا گیا۔ بلکہ طے شدہ کاموں کا ایک کھلا اور اعلان کردہ پروگرام تھا جسے اپنے ہاتھوں میں لے کر وہ دنیا کی اجڑی ہوئی آبادیوں اور برباد کردہ علم و تمدن کی یادگاروں کے سامنے نمودار ہوئی۔

الذین ان مکنا ھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ و اتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف و نھوا عن المنکر و للہ عاقبۃ الامور (الآیۃ)

یہ وہ قوم ہے کہ اگر دنیا میں ہم نے انکو طاقتور بنا دیا تو انکا کام نظامِ نماز قائم کرنا اور نظامِ زکوٰۃ نافذ کرنا اور سچائی کا حکم کرنا اور برائی سے روکنا ہوگا۔ سب کام اللہ کے قبضے میں ہیں۔

یعنی اگر یہ دنیا میں طاقتور ہو گئے تو ان کا کام آبادیوں کو اجاڑنا۔ انسانوں
کو قتل کرنا۔ عمارتوں میں آگ لگانا اور قہر و استبداد کی لعنت میں عالم
انسانیت کو مبتلا کرنا نہ ہوگا۔ بلکہ وہ کارگاہِ عالم میں اس لئے قدم رکھیں
گے کہ صلوٰۃ الٰہی کو قائم کریں۔ محتاج اور کسمپرس انسانوں کو اپنے مال
کا شریک بنائیں۔ سچائی اور راست بازی کا حکم دیں۔ ہر طرح کی برائی اور
ظلم و فساد کو دنیا میں روکیں۔ انجام کار اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہی ان
کے مقاصدِ ظہور کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے والا ہے۔ تاریخ موجود ہے اور
کئی ہزار سال تک حساب اور سراغ ہم نے لگالیا ہے لیکن دنیا میں
آج تک کوئی قوم ایسی نہیں آئی جس نے اپنے ظہور کا مقصد یہ قرار دیا
ہو اور اپنے ظہور کے اول دن ایسے صاف لہجے اور ایسی کھلی روشنی
میں اس کا عام اعلان کر دیا ہو۔

پس جس قوم کے ظہور کا مقصد قیام صلوٰۃ، ادائے زکوٰۃ اور
امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہو۔ ضرور تھا کہ وہ جو کچھ کرتی صرف اسی
مقصد کے لئے کرتی اور اپنے سفرِ سعی کے ہر قدم پر اسی کو ڈھونڈتی۔
چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جبکہ دنیا کی تمام قوموں کی لڑائیوں کی یادگاریں
بربادی و ہلاکت اور شر و طغیان کی صورت میں صفحۂ زمین پر باقی ہیں۔
اسلام کے غزوات و جہاد کی یادگاریں ایک اور ہی رنگ اور ایک
دوسری ہی حالت میں نظر آتی ہیں۔ اگرچہ اس کا نقشِ قدم جس سرزمین
پر پڑتا تھا تو ایک یادگارِ علم و تمدن بن جاتا تھا۔ لیکن وہ ہر سفر جہاد

سے اپنے ساتھ صرف روحانی یادگاریں ہی لے کر واپس ہوئی۔ اس کی مادی و علمی یادگاروں پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ مگر اس موضوع پر اب تک کسی نے توجہ نہ کی۔ ہم یہاں انہی روحانی یادگاروں کے چند منظر دکھلاتے ہیں۔ کیونکہ یہ یادگاریں اہم ہونے کے ساتھ دقیق بھی ہیں۔ جن تک رسائی حاصل کرنا ہر ایک کے بس کا کام نہیں۔

دنیا کی موجودہ اور گزشتہ جنگوں کے نتائج تمہارے سامنے ہیں۔ قتل و آتش زدگی۔ سلب و نہب۔ بربادئی علم و ہلاکت۔ عمران و تمدن۔ تباہی و ویرانی۔ تخریب و ہلاکت کے سوا تمہیں اور کچھ نظر نہیں آتا۔ آؤ اب اس قوم کی جنگوں کی یادگاروں کی جستجو میں نکلیں جس نے اپنا مقصد ظہور قیام صلواۃ الٰہی، ادائے زکواۃ خداوندی اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر بتلایا۔ اور اس کے دشمنوں نے اول روز ہی سے اسے مسلح ہو جانے پر مجبور کر دیا۔ ہم ڈھونڈیں گے کہ جنگ کے میدانوں میں وہ اپنے مقصد کی حفاظت کر سکی یا نہیں۔ اور جب خون اور مٹی کے کیچڑ پر سے گزری تو جنگ کی کیا کیا یادگاریں اپنے پیچھے چھوڑ گئی۔ آئندہ سطور میں یہی کچھ پیش کیا جائے گا۔

آثار جہاد و مجاہدین

اب ہم اپنا سفر جستجو شروع کرتے ہیں۔ مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ سفر جستجو میں متعدد منزلیں پیش آئیں گی۔ سب سے پہلے ہم روحانی

یادگاروں کو جمع کرتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوگا کہ مسلمانوں کے غزوات کی سب سے پہلی یادگار عبادت الٰہی ہے۔ عبادت اسلامی کے چار ارکان ہیں۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج۔ ان میں سے کوئی عبادت ایسی نہیں ہے جس کے لئے غزوات اسلامیہ کی یادگاریں سامنے نہ آجاتی ہوں۔ سب سے پہلے نماز ہے۔ اسی سے شروع کیجئے اور غور و تدبر سے دیکھتے جائیے۔

یہ عبادت الٰہیہ روحانیت کا سرچشمہ ہے۔ ہدایت تجلی کا منبع نیکی کا مرکز۔ برکات الٰہیہ کا محیط۔ اور انسان کو تمام بہیمی قوتوں اور نفسانی جوشوں سے بچانے والی ہے۔ حرص و آز سے ایک قلعہ ہے ان الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر ط یعنی نماز الٰہی انسان کو تمام برائیوں اور بے حیائیوں سے روک دیتی ہے۔ اس لئے کہ اس کی وجہ سے ہمیشہ خدا کے تعلق کا مقصود قائم رہتا ہے، جو قلب انسانی کو مقناطیس کی طرح خالق و مالک حقیقی کی طرف کھینچ لیتا ہے۔ پس وہ ایک قلعہ ہے جو برائیوں کے لشکر کو اپنے اندر گھسنے نہیں دیتا۔ لیکن اس قلعہ کے ستونوں کو اس قوم کے سفر جہاد و غزوات ہی نے قائم کیا ہے۔

کان النبیؐ وجیوشہ اذا علوا الثنایا کبروا واذا ھبطوا سبحوا فوضعت الصلوٰۃ علیٰ ذالک (ابوداؤد)	یعنی آنحضرتؐ اور مجاہدین جب پہاڑوں پر چڑھتے تھے تو تکبیر کا غلغلہ بلند کرتے اور جب نیچے اترتے تو تسبیح پڑھتے تھے پھر نماز بھی اسی طریقہ پر قائم ہوئی۔

یعنی آنحضرت صلعم اور آپ کے ساتھ صحابہ کی یہ عادت ہوتی تھی کہ
سفر جہاد میں جب کسی پہاڑی پر چڑھتے تھے تو اس کی بلندی
کی مناسبت سے خدائے کبریائی و بڑائی اور عظمت و بلندی کے
اظہار کے لیے تکبیریں بلند کرتے تھے لیکن جب کسی پہاڑی سے
نیچے اترتے تو اس کی پستی کو دیکھ کر خدائے قدوس کی تنزیہ و تقدیس کا
اظہار کرتے کہ وہ پستی اور نقائص سے پاک ہے اور اس کے
اظہار کیلئے تسبیح پڑھتے تھے۔ تو خدا نے نماز کے اندر قیام رکوع و سجود تعوذ
تکبیر تسبیح کو اسی قالب میں ڈھال دیا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ نماز کے ارکان
لڑائی ہی کی بدولت وجود میں آئے۔ اس لئے نماز مسلمانوں کی لڑائیوں
کی ایک پہلی یادگار ہے۔ تمام نمازوں میں صلواۃ الخوف جہاد کے ساتھ
مخصوص ہے جس کے احکام دوسری نمازوں سے مختلف ہیں۔

واذا کنت فیھم فاقمت
لھم الصلوٰۃ فلتقم طائفۃ
منھم معک ولیاخذوا
اسلحتھم۔ فاذا سجدوا
فلیکونوا من ورائکم
ولتأت طائفۃ اخری لم
یصلوا فلیصلوا معک ولیاخذوا
حذرھم واسلحتھم والذین

جب تم مجاہدین کی صف میں نماز
پڑھنا چاہو تو پہلے ایک گروہ تمہارے
ساتھ اپنے ہتھیار لے کر شریک نماز
ہو جائے جب وہ سجدہ کر چکیں تو
پیچھے ہو جائیں تاکہ حفاظت کرتے
رہیں اور دوسرا گروہ آئے جس نے
ابھی نماز نہیں پڑھی اور چاہیئے کہ بدستور
ہوشیاری کے ساتھ مسلح ہو کر باقی نماز

لقروالوتغفلون عن اسلحتکم وامتعتکم فیمیلون علیکم میلۃ واحدۃ ط (الآیۃ)

تمہارے ساتھ پڑھیں کیونکہ وہ موقع کی تلاش میں ہیں کہ موقع ملے تو وہ دفعتہ تجھ پر ٹوٹ پڑیں۔

مجاہدین اسلام نے اپنی اس یادگار کے ذریعہ دنیا کو دکھادیا کہ خدا کی صداقت کی بحافظ قوم دشمن کے مقابلے میں اپنی روحانی یادگاروں کو کیونکر قائم رکھ سکتی ہے۔ جب کہ میدان جنگ میں تمام قومیں فرصت کے لمحوں کو ستانے اور کھانے پینے میں خرچ کرتی ہیں تو مسلمان تلواروں کے سائے کے نیچے اپنی مہلت کی گھڑیاں صرف اللہ کی عبادت و بندگی اور رضا جوئی اور خوشنودی میں صرف کیا کرتے تھے اور یہی ان کی مایۂ نازشان ہے جو ان کو دوسری قوموں سے ممتاز کرتی ہے۔ غرضیکہ صلوٰۃ الخوف بھی اسلامی غزوات کی ایک یادگار ہے۔

اسلام میں دو رکعت کی ایک اور نماز بھی بطور یادگار کے قائم رکھی گئی ہے۔ جو ایک مظلوم مجاہد کے جوشِ مذہبی کی یادگار ہے اسلام صبر۔ تقوی۔ طہارت اور خشوع و خضوع کا ایک قلعہ تھا جس کو میدانِ جنگ میں کھڑا کیا گیا تھا۔ ان اللہ یحب الذین یقاتلون فی سبیلہ صفا کانھم بنیان مرصوص ط یعنی خدا ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو اس کی راہ میں استقلال کے ساتھ صف بستہ لڑتے ہیں گویا ایک دیوار ہیں جو اتنی مضبوط ہو کہ کوئی طاقت

اس کو ہلا نہ سکے اور ایسی ہو کہ گویا ان کے اندر سیسہ پگھلا کر بھر دیا گیا ہو۔ اسی لئے اسلام نے سخت مصیبت کی حالت میں بھی عزم و استقلال کی زندہ مثال چھوڑی ہے۔

اس نے فساد کی لڑائیوں کو رد کرنے کے لئے عدالت کی جتنی لڑائیاں لڑیں ان کی یادگار میں اس کے سوا کچھ نہیں ہے۔ ایک بار آنحضرت (صلعم) نے فوج کے دس دستے روانہ کئے اور عاصم بن ثابت انصاری کو امیر مقرر فرمایا۔ جب یہ لوگ مقام ہراۃ میں پہنچے تو قبیلۂ ہذیلیان کو ان کا پتہ لگ گیا۔ اور انھوں نے دو سو تیر انداز ان کے پیچھے روانہ کئے۔ جب عاصم نے دشمنوں کے مسلح گروہ کو دیکھا تو پہاڑ پر چڑھ گئے۔ دشمنوں نے ہر طرف سے گھیر لیا اور امان دے کر پہاڑ سے اترنے کی خواہش ظاہر کی۔ لیکن عاصم نے کہا۔ میں کسی کافر کی امان سے فائدہ اٹھانا نہیں چاہتا اس پر ان لوگوں نے تیروں کی بارش شروع کر دی اور وہ سات آدمیوں سمیت شہید ہو گئے۔ مگر فوج کے تین دستے عہد و پیمان لے کر اتر آئے ان میں خبیب انصاری اور ابن دثنہ بھی تھے۔ کافروں نے کمانوں کی زہ اتار لی اور اس سے ان لوگوں کو باندھ لیا۔ ان کے ساتھ ایک تیسرا شخص بھی تھا۔ اس نے کہا یہ پہلی عہد شکنی ہے جس سے مجھے قتل و خون کی بو آتی ہے۔ میں ان کے ساتھ نہیں جا سکتا۔ ان لوگوں نے جبراً ساتھ لے جانا چاہا مگر اس نے انکار کر دیا۔ یہاں تک کہ شہید کر دیا

لیا۔ وہ خبیب اور ابن دثنہ کو ساتھ لے گئے اور مکہ میں غلام بنا کر بیچ دیا۔ قبیلہ بنو حارث ابن عامر نے خبیب کو خرید لیا۔ اور چونکہ یہ وہی خبیب تھے جنھوں نے غزوہ بدر میں حارث ابن عامر کو قتل کر دیا تھا اس لئے ان لوگوں نے اس خون کا انتقام لینا چاہا اور ان کو حرم سے باہر قتل کرنے کے لئے لے گئے کیونکہ دارالامن میں قتل ناجائز تھا لیکن جبیب کے عزم و استقلال نے شہادت کے وقت ایک روحانی یادگار قائم کر دی۔ انھوں نے دشمنوں سے دو رکعت نماز کی اجازت چاہی۔ کفار نے اجازت دے دی۔ انھوں نے نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ نماز ادا کی اور کہا اگر تم لوگ اس کو جزع و فزع کے نیت و امل پر محمول نہ کرتے اور یہ بدگمانی نہ ہوتی کہ میں موت کے ڈر سے میں تاخیر ڈالنے کے لئے بہانہ کرتا ہوں تو نماز کو میں اور طول دیتا اور بہت دیر تک اپنے خداوند کے حضور میں رہتا۔ اس کے بعد یہ اشعار پڑھے اور ایک عجیب ہی وجد و کیف کے عال میں پڑھے:

فلست ابالی حین اقتل مسلماً　　علیٰ ای شق کان للّٰہ مصرعی

جبکہ میں مسلمان ہونے کی حالت میں قتل کیا جاتا ہوں تو مجھے کچھ پروا نہیں کہ خدا کی راہ میں کس پہلو پر جان دوں گا۔

وذالک فی ذات الالٰہ وان یشا　　یبارک علی اوصال شلو ممزع

میرا قتل خدا کی راہ میں ہے اور اگر وہ چاہے تو کاٹے ہوئے جوڑوں میں برکت دے سکتا ہے۔

کفار نے ان کو نہایت بے دردی کے ساتھ باندھ کر قتل کر دیا اور انھوں نے ان دو رکعتوں کو ہر اس شخص کے لئے بطور ایک زندہ سنت صبر و ثبات کے یادگار چھوڑ دیا، جسے ظالمانہ طریقہ سے قتل کیا جائے۔

عبادات اسلامیہ کی آسانیوں میں تیمم بھی اگلی دی ہوئی ایک یادگار آسانی ہے۔ اس کے برکات کا ظہور زیادہ تر سفر ہی میں ہوتا ہے۔ آنحضرت صلعم اور صحابہ کرام (رض) کا سفر اکثر جہاد ہی کیلئے ہوا کرتا تھا۔ اس لئے سفر ہی میں مسلمانوں کو یہ عطیہ الٰہی بھی دیا گیا چنانچہ ایک سفر میں حضرت عائشہ رض آپ کے ساتھ تھیں۔ سو اتفاق سے راستہ میں ان کا ہار گم ہو گیا آنحضرت تمام صحابہ کے ساتھ اس کے ڈھونڈنے کے لئے ٹھہر گئے۔ لیکن منزل پر دور تک پانی کا نام و نشان نہ تھا۔ صحابہ نے حضرت صدیق سے اس کی شکایت کی۔ انھوں نے حضرت عائشہ رض پر ناراضی ظاہر کی۔ کہ تمہاری ہی غفلت نے تمام قوم کو اس مصیبت میں مبتلا کر رکھا ہے۔ چنانچہ اسی موقع پر آیت تیمم نازل ہوئی اور تمام صحابہ رض مسرت کے لہجے میں پکار اٹھے: مَا هِيَ بِأَوَّلِ بَرَكَتِكُمْ يَا آلَ أَبِي بَكْرٍ کہ اے آل ابو بکر رض یہ کچھ تمہاری پہلی ہی برکت نہیں ہے۔ اس بنا پر تیمم بھی غزوات اسلامیہ ہی کی یادگار ہے۔

حالت سفر میں قصر صلواۃ اور رمضان میں افطار صوم کی اجازت

بھی جہاد ہی کی راہ میں آسانیاں پیدا کرنے کے لئے دی گئی۔ قرآن کی آیاتِ قصر میں صاف طور پر جہاد کے مواقع کا ذکر اوپر گزر چکا ہے حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ حکم قصر دراصل جہاد کے لئے ہوا تھا

عبادات اسلامیہ میں حج مختلف یادگاروں کا مجموعہ ہے جس گھر میں ادا کیا جاتا ہے۔ خدا کے سب سے برگزیدہ بندے کے ہاتھ کی قائم کی ہوئی یادگار ہے۔ واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت واسمعیل ط ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم ط یعنی ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ جب خانہ کعبہ کی دیواریں چن رہے تھے، تو اس وقت یہ دعا ان کی زبان پر تھی۔ کہ خدایا ہمارے اس عمل کو قبول کرلے اس لئے کہ تو ہی ہماری پکار سننے والا اور نیتوں کو جاننے والا ہے۔ بلکہ دنیا کی مذہبی یادگاروں میں سب سے قدیم یادگار یہی ہے۔ ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبارکا وھدی للعٰلمین ط سب سے پہلا گھر جو انسان کی پرستش گاہ بنایا گیا وہی گھر ہے جو مکہ میں تمام دنیا کی برکت و ہدایت کے لئے تعمیر کیا گیا۔ ان بندوں نے خدا کی وحدانیت کی ایک زندہ رہنے والی یادگار قائم کی تھی۔ خدا نے بھی اسی میں ان کی یادگار قائم کردی۔ فیہ اٰیٰتٌ بیّنٰتٌ مقامُ ابراھیم ط اس گھر میں مقام ابراہیمؑ ایک نمایاں مقدس یادگار ہے۔ صفا اور مروہ کے درمیان دوڑنا حضرت ہاجرہ کی اس سراسیمگی کا منظر تازہ کرتی ہے جب وہ پانی کی جستجو اور

بچے کی محبت میں پریشان حال تھیں۔ چاہِ زمزم قدرتِ الٰہی کی
اسی کرشمہ سازی کی یاد دلاتا ہے۔ جب نے وادی غیر ذی زرع میں
خدا کی قدرت کے ابلتے ہوئے چشمے کا منہ کھول دیا تھا۔

قربانی حقیقت میں ملت اسلامیہ کی اس جاں فروشی اور فدویت
کے جذبے کی تجدید ہے۔ جس کو عملاً کر دکھاتی ہے جس سے حضرت خلیل اللہ
و ذبیح اللہ کے اندر سے ظہور کیا تھا۔ رمی جمار۔ اسی شیطانی و ابلیسی تحریک
سے دنیا کو آگاہ کرتی ہے جو اس پاک مقصد کی تکمیل میں سنگ راہ بن
رہے تھے۔ ان یادگاروں کے علاوہ ملت اسلامیہ نے ان یادگاروں میں ایک
اور یادگار کا اضافہ بھی کر دیا۔ فتح مکہ سے ایک سال پہلے آنحضرتؐ نے
قریش سے ایک صلح کر لی تھی جو صلح حدیبیہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس
صلح کے بعد آنحضرتؐ صحابہ کے ساتھ عمرہ کے لئے تشریف لائے تو
صحابہ کو مدینہ کی آب و ہوا نے چور چور کر دیا تھا اور بخار کے عام ابتلا
نے ان کی طاقت رفتار سلب کر دی تھی۔ اس ضعف کا اثر طواف کی
حالت میں بھی صاف نمایاں ہوتا تھا اور مکہ والے دیکھتے تھے۔ اس
پر کفار نے جو اسلام کی فوجی طاقت کا ہر موقع پر امتحان لیتے رہتے
تھے طنز آمیز لہجہ میں کہا: اوھنھم حمی یثرب مدینہ کے بخار نے
ان کو چور چور کر کے کمزور و ناتواں کر دیا ہے۔ اگرچہ ابھی تک عملاً ان کو
یہ یقین نہیں دلایا جا سکتا تھا کہ یہی ناتواں ہستیاں یہی ضعیف بندے
ایک دن ان کی قوت کے سر پر غرور کو کچل دیں گے۔ تاہم آثار و علامات

دکھلائے جا سکتے تھے۔ اس لئے آنحضرت صلعم نے صحابہ کو تندرستوں کی طرح اکڑ کر چلنے کا حکم دیا کہ روح کی ایمانی قوت کو جسم ضعیف کے پردے میں بھی نمایاں کریں۔ یہ یادگار اب تک قائم ہے اور اس کو فقہ کی اصطلاح میں "رمل" کہا جاتا ہے جس کے معنی اکڑ کر چلنے کے ہیں۔ حضرت عمر نے اس کو موقوف کر دینا چاہا تھا کیونکہ بظاہر یہ ایک وقتی حکم تھا لیکن پھر رک گئے۔ کیونکہ ان کی نظر دقیقہ سنج نے محسوس کیا کہ یہ یادگار مسلمانوں کے لئے ہمیشہ درسِ شجاعت و تحریکِ عزائم کا وسیلہ ہے اور ہر سال یاد دلاتی ہے کہ ان کے اسلاف کرام نے ضعفِ جسمانی کی حالت میں بھی کس طرح اپنی صولت اسلامی کو قائم رکھا تھا۔

حضرت عائشہ رضہ کا واقعہ افک جو ایک سفر جہاد میں پیش آیا تھا۔ اسی سلسلے کی روحانی یادگار ہے۔ یہ یادگار اگرچہ ابتدا میں نہایت درد انگیز معلوم ہوئی لیکن درحقیقت خدا کی رحمت کا بہت بڑا خزانہ اس کے اندر مستور تھا۔ قرآن مجید میں عورتوں کے تمدنی حقوق کی حفاظت کیلئے ایک خاص سورۂ نساء نازل ہوئی جس کو عورتوں کی مخصوص یادگار کہا جا سکتا ہے۔ لیکن ان کی وضع۔ لباس۔ طرزِ معاشرت حقوق منزلی وغیرہ کی عام اصطلاح کے متعلق اب تک کوئی آیت نازل نہیں ہوئی تھی۔ مگر اس واقعہ کے بعد ہی سورۂ نور اتری جو زیادہ تر انہی احکام سے مملو ہے۔ چھٹی صدی عیسوی میں انسان کا یہ شریف ترین صنف جہالت اور جبر کی بے کسی و ذلت میں ڈال دیا گیا تھا۔ تمدن اور مذہب

دونوں نے اس کے ساتھ بے رحمی کی تھی۔ اسلام نے سب سے پہلی مرتبہ عورتوں کے حقوق کا اعلان کیا اور ان کے معاشرتی درجہ کو خاندان میں سب سے زیادہ نمایاں جگہ دی۔ لیکن اس انقلاب کا بڑا حصہ سورۂ نساء کے نزول سے وجود میں آیا ہے اور سورۂ نور ایک سفر جہاد کو یاد دلاتی ہے۔ پس عورتوں کے حقوق کی سب سے بڑی اور سب سے پہلی اصلاح بھی غزواتِ اسلامیہ ہی کی یادگار ہے۔

حدِ قذف اور حدِ زنا کے متعلق بھی اب تک کوئی آیت نازل نہیں ہوئی تھی لیکن اس واقعہ کے بعد ہی ان حدود کی تعیین کیلئے آیتیں نازل ہوئیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی کی فضیلت اگرچہ عام طور پر مسلم تھی لیکن قرآن مجید کی برأت نے اس کو اور بھی قطعی کر دیا۔ پس یہ واقعہ ان احکام کی روحانی یادگاروں کا ایک مجموعہ ہے جن کو حدود اللہ کے جامع و مختصر لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ وہ ازواج مطہرہ کے فضائلِ مخصوصہ کا ایک باب ہے، جس کو کفار نے کھول دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے اس کو مسلمانوں کے لئے خیر و برکت کا مجموعہ قرار دیا ہے لا تحسبوہ شرًا لکم بل ھو خیر لکم ط کہ اس واقعہ کو برا نہ سمجھو وہ تمہارے لئے موجبِ خیرات و برکات ہوا۔

دنیا کی دوسری قوموں نے اپنے نمایاں کارناموں کی مادی یادگاریں قائم کی ہیں خاص خاص لڑائیوں کو مختلف مخصوص طریقوں سے

نمایاں کیا ہے۔ عجائب خانوں میں سلاطین قدیم اور جانباز بہادروں کے آلات جنگ محفوظ رکھے ہیں۔ ان کی یادگار میں مجلسیں مقرر ہوتی ہیں اور شاندار قومی و ملکی تقریبیں قائم کی جاتی ہیں۔ اسلام نے اگرچہ اس قسم کا کوئی عجائب خانہ نہیں بنایا۔ تاہم اس کی یادگاریں محفوظ ہیں۔ اس کی لڑائیوں کی یادگار سو ہے کی تلوار نہ تھی جو عجائب خانہ میں رکھ دی جاتی، بلکہ روح و دل کے تغیرات و انقلابات تھے جن کے لئے تمام عالم انسانیہ بکبیر عجائب خانہ ہے۔ مکہ اور مدینہ میں عجائب خانہ کے لئے ایک چھوٹی سی عمارت بنادی جاتی تو اس سے کیا فائدہ ہوتا جبکہ تمام دنیا کی سطح ارض اس کے لئے دار الآثار بن گئی ہے۔ بدر و حنین کی ڈھالیں اور تلواریں، نیزے اور کمانیں یورپ کی طرح ہم نے بچا کر نہیں رکھے کیونکہ بدر کے کنارے نیزوں کے ساتھ جو ہاتھ اللہ کی عبادت کے لئے اٹھے تھے وہ اب تک چالیس کروڑ انسانوں کے اندر سے ہر روز دن میں پانچ بار اٹھ کر بدر کی یاد کو مٹنے نہیں دیتے۔ اور اس محسوس و صحیح و قائم یادگار نے ہمیں معنوی اور سنگی یادگاروں سے مستغنی کر دیا ہے۔ ۱۲۰